بسمہ سبحانہ

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

تفسیر رضوی

جلد چہارم

از افادات محقق خبیر علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری اعلی اللہ مقامہ

ناشر الجواد بکڈپو۔ جوادیہ کالج بنارس

مطبوعہ علمی الیکٹرک مشین پریس تیلیا نالہ بنارس (وارانسی)

maablib.org

جز ہفتم (۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ تَرٰۤی اَعۡیُنَہُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ۔

"اور تو دیکھتا ہے کہ جب یہ لوگ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو ہمارے رسولؐ پر نازل کیا گیا ہے تو ان کی آنکھوں سے بے ساختہ (چھلک کر) آنسو جاری ہو جاتا ہے کیونکہ انھوں نے (امر) حق کو پہچان لیا ہے (اور) عرض کرتے ہیں کہ اے میرے پالنے والے ہم تو ایمان لا چکے تو (رسولؐ کی) تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی لکھ رکھ۔"

مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں نجاشی بادشاہ حبشہ اور اوس کے اصحاب مراد ہیں۔ تفصیل واقعۂ ہجرت حبشہ کی یہ ہے کہ جب کفار قریش کی ایذا رسانی سے تنگ ہو کر آنحضرت صلعم نے ستر اہل اسلام کو جعفر طیار کے ساتھ ملک حبشہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور وہ لوگ وہاں پہونچکر امن پا گئے۔ تو کفار نے بھی کد و کاوش میں کمی نہیں کی اور ایک وفد مع تحائف و ہدایا کے نجاشی کے پاس روانہ کیا کہ وہ اہل اسلام کو اپنے ملک سے نکال کر مکّہ کی طرف روانہ کر دے۔ جب یہ وفد دربار میں حاضر ہوا تو اور تحائف پیش کش کرنے کے بعد اپنے مدعا کو بیان کیا تو نجاشی نے جعفر طیار سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ بادشاہ ان سے دریافت کیجئے کہ ہم ان کے غلام ہیں یا قرضدار ہیں یا کسی کا خون کر کے آئے ہیں۔ آخر ان کا کونسا مطالبہ ہمارے ذمّے ہے جس کو پورا کرانا چاہتے ہیں۔؟ جب بادشاہ نے اون کفار سے سوال کیا تو رئیس وفد عمرو عاص نے کہا کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ اصل جرم یہ ہے کہ ان لوگوں نے نیا دین بنایا ہے اور ہمارے خداؤں کو برا کہتے ہیں اور ہماری جماعتوں میں نا اتفاقی پیدا کر رہے ہیں۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ خدا نے ہم میں ایک رسول کو مبعوث کیا ہے جو شرک و ظلم خونریزی

وبدکاری سے منع کرتا ہے عدل و احسان وصلہ رحم ونماز و زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ ہم نے اسی کے دین کو قبول کر لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہی احکام حضرت عیسیٰ نے بھی دیئے تھے۔ پھر حکم دیا کہ جو کتاب رسول عربی پر نازل ہوئی ہے اس کا کوئی حصہ یاد ہو تو سناؤ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی جب اس آیت "ہزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جنیاً" تک پہونچے تو بادشاہ نہایت متاثر ہوا اور بہت رویا۔ اور دین اسلام کی حقیقت کی شہادت دی۔ جب عمرو عاص نے اپنا مطالبہ پیش کیا تو بادشاہ نے اوس کو ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ اگر پھر کوئی بات ان کی بابت کہی تو جان کی خیر نہ ہوگی۔ غرض یہ وفد کفار ناکام واپس آیا اور اہل اسلام عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرے رہ گئے۔ اسی قصہ کی طرف ان آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

"اے ایماندارو! جو پاک چیزیں خدا نے تمہارے واسطے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو۔ کیونکہ خدا حد سے بڑھ جانے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔"

مروی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نے عثمان بن مظعون کے گھر میں دنیا کی مذمت اور آخرت کے پرخطر حالات نہایت موثر الفاظ میں اصحاب کے سامنے بیان کئے تو کچھ لوگوں نے یہ عہد کر لیا کہ آئندہ تمام لذات دنیا کو ترک کر دیں گے اور ہمیشہ صائم النہار و قائم اللیل رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ غرض ان لوگوں نے کامل رہبانیت اختیار کر لینے کا عزم کر لیا۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کو معلوم ہوئی تو فرمایا کہ میں نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ رہبانیت اختیار کر لو۔ یہ طریقہ میرے دین میں داخل نہیں ہے تم کو میری پیروی کرنی چاہئے دیکھو میں روزے کبھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا۔ راتوں کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ پس تم کو اسی طرح معتدل روش اختیار کرنی چاہیئے۔ اس وقت یہ آیت خدا نے نازل کی۔

اس میں شک نہیں کہ رہبانیت و ترک لذات دنیا کا مقصود اگر محض خیر ہو تو دین کے اعتبار سے ممدوح ضرور ہے لیکن اوس میں انقطاع نسل اور دیگر متعدد مفاسد عظیمہ ایسے لازم آتے ہیں جو منشائے فطرت کے بالکل خلاف ہیں۔ اور چونکہ نوع انسان فطرۃً مدنی الطبع واقع ہوئی ہے۔ لہذا تمام افراد کے لئے ممکن العمل بھی نہیں۔ اگر سب کے سب رہبانیت کاملہ اختیار کر لیں تو اس نوع کا وجود صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہ سکتا۔ علاوہ اس کے نفس انسانی کا کمال یہ ہے کہ دنیا کے تعلقات کو باقی رکھتے ہوئے تقویٰ و عدالت کا ملکہ حاصل کرے ایسا نہ ہو کہ اعتدال کی حد سے تجاوز ہو کر لذات دنیا میں شب و روز مستغرق رہے اور یہ صورت بوجہ دشوار تر ہونے کے رہبانیت کے بہ نسبت زیادہ قابل مدح و ستائش ہے ہم نے اس بحث کو رسالہ سیاست علویہ میں نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے اہل ذوق اس پر نظر فرمائیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ

"خدا تمہارے بیکار (بیکار قسموں کے کھانے) پر تو (گرفت) نہ کرے گا مگر بالقصد پکی قسم کھانے (اور اس کے خلاف کرنے) پر تو ضرور تمہاری لے دے کرے گا۔"

لغو قسم سے مراد یہ ہے کہ آدمی ہر بات پر بے قصد و ارادہ واللہ باللہ کہے۔ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر بات پر قسمیں کھاتے رہتے ہیں۔ جن سے کوئی خاص مقصود نہیں ہوتا۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔

شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ تمہارے درمیان شراب نوشی اور قمار بازی سے بغض و عداوت پیدا کر دے۔

اس آیت میں شراب اور قمار کے حرام کئے جانے کی دو علتیں بھی بیان کر دی ہیں۔ ایک تو نقصان دنیوی ہے اور وہ یہ کہ شرابخواری و قمار بازی باعث فساد و عداوت ہوتی ہے اور رشتۂ الفت و محبت کو قطع کر دیتی ہے جس سے تمدن و معاشرت میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور دوسرا نقصان دینی ہے اور وہ یہ کہ شراب کے نشہ اور قمار بازی کی دھن میں انسان کو خدا کی یاد باقی نہیں رہتی اور اس سے بڑی اور کوئی خرابی متصور نہیں ہو سکتی۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ [۱]

"خدا نے کعبہ کو جو (اس کا) محترم گھر ہے اور حرمت دار مہینوں کو اور قربانی کو اور اس جانور کو جس کے گلے میں (قربانی کے واسطے) پٹے ڈال دیئے گئے ہوں لوگوں کے امن قائم رکھنے کا سبب قرار دیا۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ خدا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یقیناً (سب) جانتا ہے اور یہ بھی (سمجھ لو) کہ بیشک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔"

(۱) تفسیر مجمع البیان میں صادق آل محمدؑ علیہم السلام سے مروی ہے۔

من اتٰی ھذا البیت یرید شیئًا فی الدنیا والآخرۃ اصابہ ۔ (جو شخص اس گھر (خانۂ کعبہ) میں دنیا اور آخرت کی کسی چیز کا ارادہ کرکے آئے گا وہ چیز اس کو ملجائے گی)

(۲) "ذلک لتعلموا الخ" فرمانے سے مقصود یہ ہے کہ جب تم ان حکم و مصالح پر اطلاع ہو جائے گی جو بنائے کعبہ اور مناسک حج میں مضمر ہیں تو جان لوگے کہ خدا کے تمام کام علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں (رسولؐ سے) نہ پوچھا کرو کہ اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو تمہیں بری معلوم ہوں اور اگر ان کے بارے میں قرآن نازل ہونے کے وقت پوچھ بیٹھو گے تو بیشک ظاہر کر دی جائیں گی (اگرچہ تمکو برا لگے گا جو سوالات تم کر چکے ہو) خدا نے ان سے درگذر کی اور خدا بڑا بخشنے والا بردبار ہے ۔"

لوگ آنحضرت صلعم سے بے ضرورت سوالات بکثرت کیا کرتے تھے، کوئی اپنی گمشدہ اونٹنی کی بابت سوال کرتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کوئی اپنی زوجہ کے بارے پوچھتا ہے کہ وہ اس وقت گھر میں کیا کر رہی ہے ۔ غرض اس طرح کے بیجا اور نہ سوالات کی کثرت سے ایک دن آپ نے تنگدل اور غضبناک ہو کر فرمایا کہ اس وقت جتنی باتیں پوچھنی ہوں پوچھ لو، میں سب کے جواب دینے کو تیار ہوں ۔ اس پر ایک شخص نے جس کے نسب میں خلل تھا یہ پوچھا کہ اس شخص کا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کی جانب تو منسوب ہے وہ تیرا باپ نہیں ہے بلکہ تو ایک دوسرے شخص حذافہ بن قیس کا بیٹا ہے ۔ پھر دوسرے شخص نے سوال کیا کہ اس شخص کا باپ کہاں ہے فرمایا جہنم میں ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ بخدا اس وقت جنت اور جہنم دونوں میری نگاہوں کے سامنے ہیں اور دیکھ رہا ہوں کہ کس کا مسکن کہاں ہے اور تم میں سے کون جنتی ہوگا اور کون جہنمی ۔ اوس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْھَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝

"اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو عرض کرنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہنا کہ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں ۔"

یہاں وحی سے الہام اور القائے فی القلب مراد ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے :۔

(۱) واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (اور ہم نے ہی جناب موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ جناب موسیٰ کو دودھ پلائیں)

(۲) واوحی ربک الی النحل ۔ (تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالدی)

ان آیات سے مقصود جناب عیسیٰ کی برأت کا اظہار اور نصاریٰ کی توبیخ و ملامت ہے ۔

(سورۂ انعام)

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝

"وہ تو وہی خدا ہے جس نے تمکو مٹی سے پیدا کیا پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت مقرر کیا اور (اگرچہ تمکو معلوم نہیں مگر) اسکے نزدیک (قیامت کا) ایک وقت مقرر ہے پھر (بھی) تم شک کرتے ہو ۔"

(۱) جناب آدم کی خلقت مٹی سے ہوئی تھی ۔ اس لئے تمام آدمیوں کی خلقت اسی طرف راجع ہوتی ہے اور اس آیت میں اسی کا لحاظ کیا گیا ہے ۔ اور جہاں یہ فرمایا ہے کہ انسان نطفے سے خلق کیا گیا ہے وہاں جناب آدم سے شروع ہونے والا سلسلۂ توالد و تناسل ملحوظ ہے لہٰذا دونوں آیتوں کے بیان میں کوئی اختلاف و تناقض نہیں ۔ نیز ہر انسان کی خلقت جس مادے سے ہوئی اس کی ابتدا مٹی ہی ہوتی ہے کیونکہ تمام حیوانی و نباتی غذاؤں کا مادہ اصلیہ مٹی ہے ۔ لہٰذا انسانی خلقت کو کبھی نطفے اور کبھی مٹی کی طرف نسبت دینے میں اختلاف بیان کا شائبہ نہیں ۔

(۲) اجل مسمی کی بحث آئندہ مفصل طور سے درج کی جائے گی ۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝

"حالانکہ ہم فرشتہ بھیجدیتے تو ان کا کام ہی تمام ہو جاتا اور پھر انھیں مہلت بھی نہ دیجاتی"

(۱) مقصود آیت یہ ہے کہ اگر فرشتہ اس طرح نازل کیا جاتا کہ وہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہتا اور لوگ اس کو دیکھ سکتے تو یہ خدا کی کھلی ہوئی نشانی ہوتی ۔ جس کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لاتے تو عذاب نازل کر دینے میں کوئی حالت انتظار باقی نہ رہتی فوراً صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیئے جاتے ۔ یہی طریقہ عالم میں ہمیشہ جاری رہا ہے کہ جب خداوند عالم کی آیت باہرہ کے ظاہر ہو جانے کے بعد لوگ کفر سے باز نہ آتے تو فوراً ہلاک کر دیئے جاتے تھے ۔ اور اسی بات کو جناب عیسیٰ علیہ السلام سے بھی مائدہ نازل کرنے کے وقت یہی فرمایا تھا کہ میں تمہاری استدعا پر نازل تو کرتا ہوں مگر یہ سمجھ لینا کہ ایسی کھلی ہوئی نشانی کے ظہور کے بعد جو شخص ایمان نہ لائے گا تو میں اوس پر وہ عذاب نازل کروں گا جو کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا ۔ اور سبب اس کا یہی ہے کہ خدا نے مدار تکلیف عقل کو بنایا ہے اور چونکہ ضعیف عقول نبی کی نبوت کا اقرار بغیر خارجی امداد کے نہیں کر سکتی تھیں اس لئے ایسے معجزات کو بھی ظاہر فرمایا جو اس کی صحت نبوت پر دلالت کرتے تھے مگر اوسکے سمجھنے کے لئے فی الجملہ فکر و غور

maablib.org

کی احتیاج باقی تھی - لہذا کافی مدت نہ دی کہ ہر شخص اطمینان کے ساتھ فکر و غور کر سکے - لیکن بعض معجزات ایسے تھے جن کی دلالت بالکل ظاہر تھی - اس کے سمجھنے کے لئے فکر و تامل کی حاجت مطلق نہ تھی لہذا اس صورت میں اتمام حجت بحد کمال ہو جانے کے سبب عذاب نازل کرنے میں انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا -

(۲) فرشتہ کو نازل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر وہ نازل کیا جاتا تو لامحالہ انسانی صورت و لباس ہی میں ظاہر کیا جاتا کیونکہ اس کی اصلی ہیئت و صورت اس قابل نہ تھی کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے - پھر کیونکر سمجھتے کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے - پس جو شک و شبہ نبی کی بابت لوگوں کو ہوتا وہی اس فرشتہ کی بابت بھی ہوتا -

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً "(اے رسولؐ) تم پوچھو کہ گواہی میں سب سے بڑھ کر کون چیز ہے"

اس آیت کا مطلب معصومین کے ان کلمات سے ذہن نشین ہو سکتا ہے -

(۱) ان اللہ اجل و اکرم ان یعرف بخلقہ بل الخلق یعرفون باللہ - "بیشک اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے ذریعہ پہچانا جائے بلکہ مخلوق خدا - خدا کے ذریعہ پہچانی جاتی ہے"

(۲) کیف یستدل علیک بما ہو فی وجودہ مفتقر الیک ایکون لغیرک من الظہور ما لیس لک حتی یکون ہو المظہر لک - "(اے معبود!) وہ چیز تیرے لئے استدلال کیسے بن سکتی ہے جو اپنے وجود میں خود تیری محتاج ہے - کیا کسی اور کیلئے وہ ظہور و وضوح ..."

(۳) یا من دل علی ذاتہ بذاتہ - "اے وہ ذات جو اپنے آپ اپنی ذات پر اپنی ذات سے دلالت کرتا ہے -"

وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً "(ان کی ہٹ دھرمی اس حد کو پہنچی ہے کہ گویا) ہم نے خود ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں"

آیہ "ختم اللہ علی قلوبہم" کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسکے مطالعہ سے اس آیت کا مطلب واضح ہو سکتا ہے -

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۵

"اگرچہ ان لوگوں کی روگردانی تم پر شاق ضرور ہے (لیکن) اگر تمہارا بس چلے تو زمین کے اندر کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور انہیں کوئی معجزہ دکھاؤ (تو یہ بھی کر دیکھو) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہ راست پر اکٹھا کر دیتا - (مگر وہ تو امتحان کرتا ہے) پس (دیکھو) تم ہرگز جاہلوں میں (شامل) نہ ہونا -"

ایک مرتبہ کفار قریش جناب سرور کائنات صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر انبیائے سابقین کی طرح آپ کوئی آیۂ الٰہیہ ظاہر کر دیں تو ہم ایمان قبول کر لیں گے - لیکن بوجہ ان مصالح کے جو آیہ "لو انزلنا ملکا لقضی الامر" اور دیگر آیات میں بیان کر دی گئی ہیں - ان کی شرط پوری نہیں کی گئی - لہذا ان لوگوں نے قبول ایمان سے انکار کیا اور وہ واپس چلے گئے - چونکہ آنحضرت صلعم بمقتضائے رافت و رحمت شب و روز ان کی ہدایت و ارشاد کی فکر میں افسردہ دل رہتے تھے - لہذا ان کا صریح انکار و اعراض قلب مبارک پر نہایت شاق گذرا پس خدا نے آپ کی تسلی و تسکین کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اور پر زور الفاظ میں فرمایا کہ اے رسولؐ! تم کو ان کی روگردانی کا تاسف نہ چاہئے - آیات کا اظہار ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہتے تو ان کو کفر و عصیان کی راہ سے ہٹا کر مجبوراً نزول ہدایت پر مجتمع کر دیتے - مگر ایسا نہیں کیا پس جبکہ ہم نے خود ان کو مختار کر رکھا ہے کہ اپنی عقل و قوت تمیز سے کام لیکر جس راہ پر چاہیں چلیں تو ان کے کفر و عصیان سے تم کیوں محزون و تنگدل ہوتے ہو؟ - اس مطلب کو دیگر آیات میں بھی صاف طور سے بیان فرمایا ہے - آیت کا محصل یہی ہے - رہا اس کا اسلوب بیان جس سے فی الجملہ درشتی کا اظہار ہوتا ہے تو اس سے یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ اظہار آیات کا اختیار خدا کو ہے - اس لئے عتاب آمیز الفاظ میں تنبیہ کی گئی - کیونکہ ہم نے اس سے پہلے معصوم کے قول سے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اکثر آیات قرآن کا نزول عرب کی مشہور مثل "ایاک اعنی واسمعی یا جارہ" کے مطابق ہوا ہے یعنی بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے کر کے دوسروں کو بتانا مقصود تھا - یہی اسلوب بیان اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے - اگر خود آنحضرتؐ صلعم کا تصنیف کردہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا کیونکہ جو شخص جھوٹے دعوے اور چلبازی کے ذریعہ دنیا میں سربلند ہونا چاہے گا وہ کبھی ایسی باتیں اپنی زبان سے نہیں کہے گا - جس سے اس کے عجز کا اظہار ہوتا ہو - اس کا کلام تعلی و ترفع کی باتوں سے خالی کبھی نہیں ہو سکتا -

ایک شبہ کا ازالہ

جو لوگ کلام الٰہی کے معانی اور اسلوب بیان کے اسرار کے سمجھنے کی قابلیت مطلق نہیں رکھتے ان کو آیۂ زیر بحث اور بعض دیگر آیات کے دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب معجزہ نبی نہ تھے - آپ میں مثل انبیائے سابقین خوارق عادات کے اظہار کی قدرت نہ تھی اور آپ اس کے مدعی بھی نہ تھے - لہذا اس مقام پر ان امور کی تنقیح و توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مطلب اظہار آیات الٰہیہ سے کفار کا مقصد کیا تھا - اور آنحضرتؐ کی طرف سے کس قسم کے آیت کے

اظہار سے انکار کیا گیا تھا۔ اور آپ سے کبھی معجزہ کا ظہور ہوا تھا یا نہیں؟ یہ تمام باتیں علیحدہ علیحدہ مباحث میں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مبحث اول:- قرآن مجید میں لفظ آیۃ "صرف معجزہ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوئی ہے بلکہ اکثر مواقع میں اس سے خوفناک اور تباہ کن امر بھی مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) وآتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بھا وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔

"اور ہم نے قوم ثمود کو (معجزہ سے) اونٹنی عطا کی جو (ہماری قدرت کی) دکھلانے والی تھی تو ان لوگوں نے اس پر ظلم کیا (یہانتک کہ مار ڈالا) اور ہم تو معجزہ صرف ڈرانے کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں"۔

(۲) ان نشاء ننزل علیھم من السماء آیۃ فظلت اعناقھم لھا خاضعین۔

"اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں پر آسمانوں سے کوئی ایسا معجزہ نازل کریں کہ ان لوگوں کی گردنیں اسکے سامنے جھک جائیں"۔

اس بات کو معلوم کر لینے کے بعد یہ دیکھنا چاہئے کہ کفار آنحضرت صلعم سے اظہار آیت کا مطالبہ کس معنی سے کرتے تھے اور اس کے لئے مندرجہ ذیل آیات قرآن پر نظر کرنی چاہئے۔

(۱) بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر فلیاتنا بآیۃ کما ارسل الاولون ما آمنت قبلھم من قریۃ اھلکنا ھا افھم یؤمنون۔

اس کلام سے معلوم ہوا کہ کفار کا مقصود "آیۃ" سے عذاب مہلک تھا اور محصل اون کے کلام کا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتیں خواب پریشاں ہیں بلکہ عمداً افترا پردازی کرتے ہیں۔ لہذا ہم اون پر ایمان نہ لائیں گے اون کو چاہئے کہ اگلے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی خوفناک نشانی ظاہر کریں اس وقت ہم ایمان قبول کر لیں گے۔ اس جاہلانہ کلام کا جواب خداوند عالم کی جانب سے یہ دیا گیا کہ جن لوگوں پر پہلے امور مہلکہ نازل کئے گئے اون کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا تو یہ لوگ عذاب آجانے کے بعد ایمان [illegible] کا موقع کیونکر پا سکتے ہیں۔

(۲) خلق الانسان من عجل ساوریکم آیاتی فلا تستعجلون۔

"آدمی تو بڑا جلدی باز پیدا کیا گیا ہے میں عنقریب ہی تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاؤں گا جلد بازی نہ کرو"۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ کفار جن آیات کے اظہار کا مطالبہ کر رہے تھے اون سے امور مہلکہ مقصود ہیں۔

اور ان کی یہ طلب مندرجہ ذیل آیتوں میں بالتصریح مذکور ہے۔

(۱) یستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب۔

"تم سے لوگ عذاب کے نازل ہونے کی جلدی کرتے ہیں۔ اور اگر (عذاب کا) وقت معین نہ ہوتا تو یقیناً ان کے پاس اب تک عذاب آجاتا"۔

(۲) قل ارأیتم ان اتاکم عذابہ بیاتا او نہارا ماذا یستعجل منہ المجرمون اثم اذا ما وقع آمنتم بہ الآن وقد کنتم بہ تستعجلون۔

"(اے رسول) تم کہدو کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر اس کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آجائے تو (تم کیا کرو گے) پھر گنہگار لوگ (آخر) کا ہے کی جلدی مچا رہے ہیں"۔

(۳) افبعذابنا یستعجلون فاذا انزل بساحتھم فساء صباح المنذرین۔

"تو یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں جب عذاب ان کی انگنائی میں اتر پڑے گا تو جو لوگ ڈرائے جا چکے ہیں ان کی کیا بری صبح ہوگی"۔

(۴) واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔

"(اے رسول اس وقت کو یاد کرو) جب ان کافروں نے دعائیں مانگی تھیں کہ خداوندا اگر یہ (دین اسلام) حق ہے اور تیرے پاس سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا کوئی اور دردناک عذاب ہی نازل کر۔ حالانکہ جب تک تم (رسول) ان کے درمیان موجود ہو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا"۔

(۵) او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا۔ "یا جیسا تم گمان رکھتے تھے ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو"۔

(۶) ولئن اخرنا عنھم العذاب الی امۃ معدودۃ لیقولن ما یحبسہ۔

"اور اگر ہم گنتی کے چند روز وں تک ان پر عذاب نازل کرنے میں دیر بھی کر دیں تو یہ لوگ (اپنی شرارت سے) کہیں گے کہ (ہائیں) عذاب الٰہی کو کون سی چیز روک رہی ہے"۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ کفار نزول عذاب کا مطالبہ کرتے تھے، اور اس بارے میں ان کی جہالت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ دین اسلام کے حق ہونے کی صورت میں اون کی خواہش یہی تھی کہ مورد عذاب بن جائیں۔ مگر اپنے دین آبائی کو ترک نہ کریں۔ اور اس کے معلوم کر لینے کے بعد ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم جن آیات کے اظہار سے انکار فرماتے تھے اور قرآن میں جس مطالبہ کے مسترد کر دیئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اون سے عذاب اور خوفناک امور مراد ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔

قل انی علی بینۃ من ربی وکذبتم بہ ما عندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین قل لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر بینی وبینکم۔

"تم کہدو کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا (تو) تم جسکی جلدی کرتے ہو (عذاب) وہ میرے پاس (اختیار میں) تو ہے نہیں۔ حکومت تو صرف خدا ہی کے لئے ہے"

maablib.org

وہ تو حق بیان کرتا ہے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے
(ان لوگوں سے) کہدو کہ جس (عذاب) کی جلدی کرتے ہو اگر وہ میرے پاس
(اختیار میں) ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب ہی ہو چکا ہوتا۔

اور ظاہر ہے کہ نزول عذاب کا پیغمبر اسلام کے اختیار میں نہ ہونا آپ کی نبوت میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو تو کسی نبیؑ کی نبوت ثابت نہ ہو سکے گی کیونکہ اس کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ یہ اختیار فقط خداوند عالم کو حاصل ہے جس قوم پر اور جس حالت میں اس کی مصلحت مقتضی ہوتی ہے عذاب نازل کرتا ہے۔ اس بارے میں کسی مطالبہ کا پورا کرنا عقلاً لازم نہیں۔ اور نہ وہ صحت نبوت کی شرط قرار پا سکتا۔

(مبحث دوم) جناب خاتم المرسلینؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجز نمائی کا ذکر قرآن میں بکثرت موجود ہے لہٰذا اس سے انکار کرنا محض قصور نظر کا نتیجہ ہے۔

جن آیات میں حضرتؐ کا معجزات کے ساتھ مبعوث ہونا مذکور ہے ان میں سے چند آیتیں یہ ہیں۔

(۱) اقترب الساعۃ وانشق القمر وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ قیامت قریب آگئی، اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اگر (کفار) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا زبردست جادو ہے۔

اس آیت میں شق القمر کا ذکر ہے (جس کی تفصیل آئندہ آئیگی) اور اس کے ساتھ ہی یہ کہا گیا ہے کہ کفار جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کو سحر بتاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ نے لوگوں کو معجزات بھی دکھائے تھے۔

(۲) کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات۔ خدا ان لوگوں کی کس طرح ہدایت کر سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ اس کی شہادت دیتے تھے کہ (آپ) رسول برحق ہیں۔ اور ان لوگوں کو معجزات بھی دکھائے۔

(۳) فلما جاءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین۔ جب ان لوگوں کو (رسولِ خدا نے) معجزات دکھائے تو کہنے لگے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

بعض نافہم لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ ان آیات میں "بینات" سے قرآن کی آیتیں مراد ہیں۔ اور اس غلط فہمی کا سبب یہ ہوا کہ اکثر آیتوں میں خداوند عالم نے "ایات بینات" اور "آیاتنا بینات" فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کی تصریح بھی لازم ہے کہ جہاں جہاں لفظ "بینات" تنہا مذکور ہے وہاں اس کے معنی دلائل و براہین کے ہیں۔ اور ان سے معجزات

مراد ہیں اور جس مقام پر یہ معنی مراد نہیں ہیں وہاں اپنے موصوف یعنی لفظ "آیات" کے ساتھ وارد کی گئی ہے۔

(۴) سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ وہ خدا ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے چوگرد ہم نے ہر قسم کی برکت مہیا کر رکھی ہے تاکہ ہم اسکو اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھائیں اس میں شک نہیں کہ وہ سب کچھ دیکھتا اور سمجھتا ہے۔

(۵) ثم دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی فاوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی ما کذب الفؤاد ما رأی الخ۔ پھر قریب ہوا اور آگے بڑھا دو کمان کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی قریب تب خدا نے اپنے بندے کی طرف جو وحی بھیجی سو بھیجی تو جو کچھ انھوں نے دیکھا ان کے دل نے جھوٹ نہ جانا۔ الخ

ان دونوں آیتوں میں دو خلاف عادت باتوں کا ذکر ہے ایک مکہ سے بیت المقدس تک نہایت قلیل وقت میں جانا اور مراجعت فرمانا۔ دوسرے قرب خداوندی میں جا کر آیات الٰہی کا نظارہ۔

(۶) وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔ اے رسولؐ جب تم نے کنکری ماری تو تم نے نہیں ماری بلکہ خدا نے کنکری ماری۔

جنگ بدر میں آپ نے چند سنگریزے دست مبارک سے اٹھا کر کفار کی طرف پھینکے اور وہ غبار بنکر ان کی آنکھوں میں پڑے جس سے سوائے ہزیمت کے ان کو کوئی چارہ نہ رہا۔ اسی واقعہ کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

(۷) جنگ خندق میں نہایت سخت آندھی چلی جس نے کفار کی فوج کو منتشر کر دیا۔ یہ واقعہ اس آیت میں مذکور ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا۔ اے ایمان والو، اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام کی (جنگ خندق میں) جب کہ تم پر (کافروں کا) لشکر امنڈ کے آپڑا۔ پھر ہم نے ان (دشمنوں) کی طرف آندھی اور ایسی فوج بھیجی جس کو تم دیکھ نہیں رہے تھے۔

علاوہ ان کے قرآن خود نہایت روشن معجزہ ہے جو تا قیامت باقی رہنے والا ہے اور اس کی تحدی ہمیشہ اس کے معجز ہونے کا ثبوت دیتی رہے گی۔ لہٰذا معترضین کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ نے کبھی معجز نمائی کا دعویٰ نہیں کیا اور کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرمایا۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ

زمین میں چلنے پھرنے والا (حیوان) یا اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا پرندہ ان کی بھی تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم میری مخلوق ہو اور گروہ در گروہ ہو اوسی طرح جتنے انواع حیوانات ہیں وہ بھی گروہ گروہ اور امت امت ہیں اور سب کی سب میری مخلوق اور میرے وجود و حکمت و قدرت و صنعت کی دلیلیں ہیں جس طرح تم خدا کی تسبیح و تحمید کرتے ہو اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط

پھر جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر (ڈھیل دینے کیلئے) ہر طرح کی (دنیاوی نعمتوں کے) دروازے کھول دیئے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔

اذا رأیت الله یعطی علی المعاصی فان ذلک استدراج منه ثم تلی هذه الآیة "جب تم دیکھو کہ اللہ گناہوں پر پردہ ڈال رہا ہے تو یہ سمجھو کہ اس (چشم پوشی سے) وہ ڈھیل دے رہا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

نیز جناب امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے۔

یا ابن آدم اذا رأیت ربک یتابع علیک نعمه فاحذره "اے بنی آدم جب تمہارا پروردگار تم پر متواتر اپنی نعمتیں انعام کرے تو اس سے ڈرو۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝

(اے رسولؐ) ان سے کہہ دو کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (ایمان لانے پر دیدوں گا) اور نہ میں براہ راست غیب کے کل حالات کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس جو خدا کی طرف سے میرے پاس وحی کیجاتی ہے اسی کا پابند ہوں (ان سے) پوچھو تو کہ اندھا اور آنکھ والا برابر ہو سکتا ہے تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے ہو۔"

(۱) اس آیت میں عبودیت اور تواضع و انکسار کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور مطلب اوس کا یہ ہے کہ "اے رسولؐ ان لوگوں سے کہو میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں بغیر خدا کے عطا کئے ہوئے اس کے خزانوں کا مستقل مالک ہوں، یا بغیر تعلیم امور غیبیہ کو جانتا ہوں۔ میں تو صرف انھیں باتوں کو جانتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھے بتا دی جاتی ہیں۔ اور انھیں کی پیروی کرتا ہوں"۔ پس اس آیت میں فقط اس بات کو ظاہر فرمایا ہے کہ مجھے خزائن الٰہیہ اور امور غیبیہ پر خود اقتدار کلی حاصل نہیں ہوا۔ ان امور میں اوس کے لطف و عنایت کا محتاج ہوں، اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ کو خداوند عالم نے اپنے خزانوں پر کوئی اقتدار عطا نہیں فرمایا اور امور غیبیہ پر بالکل مطلع نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال انھیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جو قرآن و احادیث سے بالکل بے خبر ہیں۔ اون کی تسکین قلب کے لئے چند اخبار غیب یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن کے واقع ہونے کی شہادت کتب تواریخ کے صفحات پر مل سکتی ہے۔

(۱) عن ابی سعید الخدری قال کنا جلوسا ننتظر رسول الله صلعم فخرج الینا قد انقطع شسع نعله فرمی بها الی علی فقال ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله فقال ابو بکر انا هو یا رسول الله فقال لا فقال عمر انا هو یا رسول الله فقال لا ولکن خاصف النعل۔ اخرجه احمد و نسائی و محی السنة البغوی و ابو حاتم و ابو یعلی و ابن حبان و ابو نعیم فی الحلیه و الدیلمی فی فردوس الاخبار والحاکم قال صحیح علی شرط الصحیحین۔

"ابو سعید خدری سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلعم کا بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے، کہ آنحضرت ہماری طرف تشریف لائے اور آنحضرت کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا آپ نے علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دیدیا، اس کے بعد فرمایا، بیشک تم میں ایک وہ شخص ہے جو تاویل قرآن پر اسی طرح قتال کرے گا جیسے میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے ابو بکر نے کہا یا رسول اللہؐ وہ میں ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں عمر نے کہا یا رسول اللہؐ وہ میں ہوں آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ جوتا ٹانکنے والا ہے۔ اس کو احمد نے اور نسائی نے اور محی السنة بغوی نے اور ابو حاتم نے اور ابو یعلی نے اور ابن حبان نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں اور حاکم نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شرط صحیحین پر صحیح ہے" ارجح المطالب ص۲۴۲

(۲) عن ابی سعید الخدری قال امرنا رسول الله صلعم بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین فقلنا یا

"ابو سعید خدری سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلعم نے ناکثین (بیعت توڑنے والوں) اور

رسول اللہ امرنا بقتال ھؤلاء فمع من قال مع علی ومعہ یقتل عمار یاسر۔ اخرجہ ابن عساکر فی تاریخہ۔ (ارجح المطالب ص۲۳۱)

قاسطین (ظلم کرنے والوں) اور مارقین (دین سے نکل جانیوالوں) سے قتال کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے ہم کو ان لوگوں سے قتال کرنے کا کس کے ساتھ حکم دیا۔ آپ نے فرمایا علیؑ کے ساتھ اور ان کی معیت میں عمار یاسر قتل ہوں گے۔ اسکو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔"

(۳) یخرج قوم من امتی یقرأون القرآن لیست قرائتکم الی قرأتھم بشئ ولا صلوتکم الی صلوتھم بشئ ولا صیامکم الی صیامھم بشئ یقرأون القرآن یحسبون انہ لھم وھو علیھم لا تجاوز صلوتھم تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص۳۴)

"میری امت میں سے ایک قوم نکلے گی وہ لوگ قرآن کو پڑھیں گے ان کی قرأت تمہاری قرأت نہ ہوگی۔ نہ ان کی نماز تمہاری نماز سی ہوگی۔ نہ ان کے روزے تمہارے روزے سے ہونگے وہ قرآن کو یہ خیال کرکے پڑھیں گے کہ وہ انکے فائدے کے لئے ہے حالانکہ وہ ان کے ضرر کے لئے ہوگا۔ ان کی نماز ان کے گلے سے آگے نہ بڑھے گی۔ تو ان کو دیکھے گا کہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان کے چلہ سے۔"

(۴) انھا ستکون فتنۃ قالوا فما نصنع یا رسول اللہ قال ترجعون الی امرکم الاول۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص۳۵)

"بیشک وہ فتنہ (آزمائش) ہوگا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کیا کریں گے۔ آپنے فرمایا تم اپنے پہلے امر (کفر و جہالت) کی طرف پلٹ جاؤ گے۔"

(۵) افترقت الیھود علی احدی وسبعین فرقۃ فواحدۃ فی الجنۃ وسبعون فی النار وافترقت النصاری علی اثنین وسبعین فرقۃ فاحدی و سبعین فی النار وواحدۃ فی الجنۃ والذی نفس محمد بیدہ لتفترقن امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ فواحدۃ فی الجنۃ واثنتان وسبعون فی النار (کنز العمال کتاب الفتن ص۳۸)

"یہود کے اکہتر فرقے ہوگئے ایک جنتی ہے اور ستر جہنمی ہیں اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوگئے اکہتر جہنمی ہیں اور ایک جنتی ہے قسم اس کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک جنتی ہے اور بہتر جہنمی۔"

(۶) والذی بیدہ لتخرجن من ھذا المسجد فتن کصیاصی البقر۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص۳۲)

"اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مسجد سے فتنے گائے کی سینگوں کی طرح سے نکلیں گے۔"

(۷) عن عائشۃ ان النبی صلعم قال لازواجہ ایتکن التی تنبحھا کلاب الحوأب فلما مرت عائشۃ ببعض میاہ بنی عامر لیلا نبحت الکلاب علیھا فسألت عنہ فقیل لھا ھذا ماء الحوأب فوقفت وقالت ما اظننی الا راجعۃ انی سمعت رسول اللہ صلعم قال ذات یوم کیف بإحداکن تنبح علیھا کلاب الحوأب قیل لھا یا ام المومنین انما تصلحین بین الناس۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص۴۸)

"عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے اپنی ازواج سے فرمایا تم میں سے وہ بھی ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ پس جب عائشہ بنی عامر کے ایک چشمہ کے پاس سے رات کو گذریں تو ان پر کتے بھونکے۔ انھوں نے اس جگہ کے بارے میں سوال کیا تو جواب دیا گیا کہ یہ چشمۂ حوأب ہے پس وہ ٹھہر گئیں اور کہا کہ میرا خیال تو لوٹنے کا ہے میں نے ایک روز رسول اللہ کو کہتے سنا کہ تم میں سے ایک کی کیا حالت ہوگی جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے اُن سے کہا گیا کہ اے ام المومنین آپ تو لوگوں کی بہبودی کا کام کررہی ہیں۔"

(۸) ارایت فی منامی کان بنی الحکم بن ابی العاص ینزون علی منبری کما ینزو القردۃ۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص۳۹)

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حکم بن ابو العاص کی اولاد میرے منبر پر اس طرح اچکتی ہے جیسے بندر اچکتے ہیں۔"

(۹) ان اھل بیتی سیلقون من بعدی من امتی قتلاً وتشریداً (کنز العمال کتاب الفتن ص۴۲)

"بیشک میرے اہلبیتؑ کو میرے بعد میری امت سے قتل و پراگندگی کا سابقہ ہوگا۔"

(۱۰) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم یا فاطمۃ انت اول اھلی لحوقا بی اخرجہ الدیلمی۔ (ارجح المطالب ص۳۰۱)

"ابن عباس سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے فاطمہؑ تو میرے اہل میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہوگی۔"

(۱۱) عن عائشۃ ان النبی صلعم قال اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بارض الطف وجائنی بھذہ التربۃ واخبرنی ان فیھا مضجعہ۔ اخرجہ ابن سعد والطبرانی (ارجح المطالب ص۳۲۳)

"عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ مجھکو جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ زمین طف (کربلا) پر قتل کیا جائے گا اور میرے پاس یہ مٹی لائے ہیں۔ اور مجھکو یہ بھی خبر دی ہے کہ اسی سرزمین میں اس کی خوابگاہ ہے۔

(۱۲) لا بارک اللہ فی یزید نعی الی الحسین واوتیت

"اللہ یزید کو برکت نہ دے مجھکو حسینؑ کی خبر مرگ دی گئی اور

maablib.org

بتوبیتہ واجبات بقاتلہ۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص۳۹)

اسکی مٹی دی گئی اور اس کے قاتل کی خبر دی گئی۔

(۱۳) عن علی ان رسول اللہ صلعم قال لہ ان الامۃ ستغدر بک بعدی وانت تعیش علی ملتی وتقتل علی سنتی من احبک احبنی ومن ابغضک ابغضنی وان ھذہ تخضب عن ھذہ یعنی لحیتہ عن راسہ۔ اخرجہ الدار قطنی والحاکم والخطیب۔ (ارجح المطالب باب چہارم ص۲۸۴)

"حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے آنحضرتؑ سے فرمایا کہ امت تیرے بارے میں غدر کرے گی اور تو میری ملت پر جیئے گا اور میری سنت پر قتل ہوگا جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تجھے ناخوش کیا اس نے مجھے ناخوش کیا اور یہ اس سے رنگین ہوگی یعنی داڑھی سر سے رنگین ہوگی اسکو دار قطنی اور حاکم اور خطیب نے نقل کیا ہے۔"

(۱۴) انکم ستحرصون علی الامارۃ وانھا ستکون ندامۃ وحسرۃ یوم القیامۃ (کنز العمال کتاب الامارۃ ص۱۹۱)

"بیشک تم عنقریب امارت پر حرص کروگے اور وہ قیامت کے دن ندامت وحسرت ہو جائے گی۔"

(۱۵) انھا ستخرج رایات من المشرق لبنی العباس اولھا مثبور وآخرھا مثبور لا تنصروھم لا نصرھم اللہ ما من شئی تحت رایۃ من رایاتہ ادخلہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ جھنم الا انھم شرار خلق اللہ واتباعھم شرار خلق اللہ یزعمون انھم منی الا انی منھم بری وھم منی برآء علامتھم یطیلون الشعور ویلبسون السواد۔

"عنقریب بنی عباس کے جھنڈے مشرق سے نکلیں گے انکا پہلا بھی ہلاکت زدہ ہے اور آخری بھی ہلاکت زدہ ہے تم ان کی مدد نہ کرنا اللہ ان کی مدد نہ کرے گا۔ ان کے جھنڈوں میں سے کسی جھنڈے کے نیچے جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم میں داخل کرے گا۔ آگاہ ہو وہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ اور ان کے پیرو بھی اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ مجھ سے ہیں۔ خبردار میں ان سے علیحدہ ہوں اور وہ مجھ سے علیحدہ ہیں انکی علامت یہ ہے کہ وہ بال بڑے رکھیں گے اور سیاہ لباس پہنیں گے۔"

(۱۶) ستکون لبنی عمی مدینۃ من قبل المشرق بین دجلۃ ودجیلہ وقطربل والصراۃ یشید فیھا بالخشب والآجر والجص والذھب یقال انھا بغداد۔ (کنز العمال کتاب الفتن)

"عنقریب میرے بنی عم کے لئے دجلہ اور دجیلہ اور قطربل اور صراۃ کے مابین اطراف مشرق میں شہر ہوگا جس کو لکڑی اور اینٹ چونے اور سونے سے بنایا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد ہے۔"

ہم نے یہاں فقط وہ مخفی اخبار غیب کو نقل کیا ہے جن کا وقوع ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار پیشین گوئیاں (ہیں)

اور بھی ہیں جن کے ظہور کے اہل اسلام منتظر ہیں۔ نیز قرآن مجید میں جتنے اخبار غیب مذکور ہیں وہ مقدمہ حواشی میں درج کئے گئے ہیں لہذا یہاں اون کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ

"اور (اے رسولؐ) جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار سے اس کی خوشنودی کی تمنا میں دعائیں مانگا کرتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ دھتکارو (ان کے حساب وکتاب کی) جوابدہی نہ تمہارے ذمہ ہے اور نہ تمہارے (حساب وکتاب کی) جوابدہی کچھ ان کے ذمہ تاکہ تم انہیں (اس خیال سے) دھتکار بتاؤ تو تم ظالموں کے شمار میں ہو جاؤ گے۔"

امرائے قریش نے جب دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں بلال وعمار وسلمان وغیرہم ضعیف الحال اہل ایمان حاضر رہتے ہیں تو ان کو ایمان قبول نہ کرنے کے لئے ایک بہانہ مل گیا۔ ایک روز آپ سے کہنے لگے کہ ایسے فقراء وغربا کو آپ نے اپنا ہمنشیں بنا رکھا ہے جن کے ساتھ ہمکو بیٹھنا گوارا نہیں۔ اگر ان کو اپنی مجلس سے خارج کر دیجئے تو ہم آپ کی پیروی اختیار کر لیں گے۔ اس کلام سے مقصود اون کفار کا یہ تھا کہ جتنے وفادار مومنین آپکے پاس جمع ہو گئے ہیں وہ بھی برگشتہ ہو جائیں اور حضرت تنہا رہ جائیں۔ اس آیت میں خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی کہ وہ کفار کے کلام پر عمل نہ کریں۔ اور مقصود اس نہی سے یہ ظاہر کر دینا تھا کہ خدا کے نزدیک ان فقراء مومنین کی عزت ووقعت بہت زیادہ ہے اون کے مقابلہ میں قریش کے امرائے متکبرین کی قدر ومنزلت کچھ بھی نہیں اوس کے نزدیک عزت کا ذریعہ محض ایمان ہے نہ کہ دنیا کی دولت وحشمت۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کفار کے کہنے سے اون مومنین کی حاضری کے لئے ایک خاص وقت معین کر دیا تھا جس پر خداوند عالم نے عتاب فرمایا۔ لیکن یہ قول محض غلط ہے۔ خداوند عالم نے اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے اوس سے محض اون کفار کو بتا دینا مقصود تھا کہ وہ مومنین خدا کے نزدیک کتنے باعزت ہیں۔ نہ کہ رسولؐ پر عتاب کرنا۔ ہم نے اس سے پہلے کئی جگہ یہ ظاہر

کردیا ہے کہ اکثر آیتوں میں اگرچہ روئے سخن بظاہر آنحضرت صلعم کی طرف ہے لیکن اصلی مقصود دوسروں کی زجر و توبیخ ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں بیہودہ بحث کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ٹل جاؤ یہاں تک کہ وہ لوگ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں۔ اور اگر (ہمارا یہ حکم) تمہیں شیطان بھولا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا

اس سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی کہ انبیا کو احکام الٰہیہ میں فراموشی عارض ہو سکتی ہے یا نہیں یہ احتمال ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں نہی کا تعلق مخصوص آنحضرتؐ کی ذات سے ہے کیونکہ یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتی کہ آپ اون لوگوں سے دوستانہ اختلاط و ارتباط رکھتے ہوں گے جو کلام الٰہی کا مذاق اڑاتے اور آپ کو مجنون و ساحر بتلاتے تھے خصوصاً اس وقت جبکہ وہ استہزاء میں مصروف بھی ہوں۔ پس اس آیت میں درحقیقت اہل اسلام کو کافروں کی صحبت میں بیٹھنے سے ممانعت کی گئی ہے اگرچہ بظاہر خطاب آنحضرت صلعم سے کیا گیا ہے لیکن مقصود اور لوگوں کی تنبیہ ہے۔ اس امر کو بطور کلیہ کے تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جن آیات میں آنحضرتؐ کی طرف مظاہرۂ کفار، مجالسۃ مشرکین، شک، وجہل وغیرہ وغیرہ امور کی نسبت دی گئی ہے جو بظاہر شان نبوت کے خلاف ہے اوس سے امت کو تنبیہ کرنا منظور ہے اور اسکی مثالیں اون احکام الٰہی میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ جن میں خداوند عالم نے جناب موسیٰ کو مخاطب قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج میں ہے: "تو کسی کی جھوٹی خبر مت اڑا۔ تو ظلم کی گواہی میں شریروں کا ساتھی مت ہو۔ تو گروہ کی پیروی بدی کرنے میں مت کیجیو اور تو کسی جھگڑے میں لوگوں کی بہتایت کے سبب اون کی طرف مائل ہو کے ناحق مت کیجیو۔ (باب ۲۳ آیت ۱-۲)

نیز باب تسلیم میں ہے "پھر خدا یہ سب باتیں بولا اور کہا کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر اور غلامی کے گھر سے نکال لایا۔ میں ہوں میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہوئے تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو اون کے آگے اپنی تئیں مت جھکا اور نہ انکی عبادت کر۔۔۔"

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ لِاَبِیْہِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِھَۃً اِنِّیْ اَرٰکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

"(اے رسولؐ اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ آذر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ میں تمکو اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں"

بعض ناواقف مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا حالانکہ ایسا نہیں۔ چنانچہ زجاج نے تصریحاً کہا ہے کہ "لیس بین النسابین اختلاف فی ان اسم اب ابراھیم تارخ" یعنی علمائے نسب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جناب ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا۔ چونکہ آزر جناب ابراہیمؑ کا چچا یا نانا تھا اور اوسی نے آپ کی پرورش کی تھی۔ اسلئے اس کو باپ کہا کرتے تھے، یہاں خدا نے بھی محض آپکے قول کی حکایت کی ہے۔ علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم کے تمام آبا و اجداد مومن تھے، اور خود آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے:۔

۱۔ لم یزل ینقلنی اللّٰہ تعالیٰ من اصلاب الطاھرین الی ارحام المطھرات حتی اخرجنی فی عالمکم ھذا لم یدنسنی بدنس الجاھلیۃ

"مجھکو خداوند عالم نے اصلاب طاہرین سے ارحام مطہرات کی طرف برابر منتقل کیا۔ یہاں تک کہ مجھکو تمہارے اس عالم میں (ایسا پاک و پاکیزہ) پیدا کیا کہ ایام جاہلیت کی کوئی گندگی (برائی) مجھ سے چھو بھی نہیں گئی (یعنی میں برابر اصلاب طاہرین سے ارحام طاہرات کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اور جب اس عالم اسباب میں آیا تو پاک و پاکیزہ پیدا ہوا۔ خاندانی بھی کوئی عیب نہیں تھا"

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

"پس جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ کو دیکھا تو دفعتاً بول اٹھے کیا یہی میرا خدا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگے غروب ہو جانے والی چیز کو میں خدا بنانا پسند نہیں کرتا۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے کلام کا صحیح منشا سمجھنے کے لئے اس حدیث پر نظر کرنی چاہیئے:۔

عن الرضا علیہ السلام سالہ المامون یا ابن رسول اللّٰہ الیس من قولک ان الانبیاء معصومون قال بلیٰ قال فاخبرنی

"امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنحضرتؑ سے مامون نے سوال کیا یا ابن رسول اللہ کیا آپ کا یہ قول نہیں ہے کہ انبیاءؑ معصوم ہیں؟

maablib.org

عن قول اللہ عز وجل فلما جن علیه اللیل رأی کوکباً قال
هذا ربی فقال الرضا ان ابراهیم وقع الی ثلاثة اصناف
صنف یعبد الزهرة وصنف یعبد القمر وصنف یعبد
الشمس وذلک حین خرج من السرب الذی اخفی
فیه فلما جن علیه اللیل رأی الزهرة قال هذا ربی
علی الانکار والاستخبار فلما افل الکوکب قال لا احب
الآفلین لان الافول من صفات المحدث لا من
صفات القدیم فلما رأی القمر بازغا قال هذا ربی
علی الانکار والاستخبار فلما افل قال لئن لم یهدنی
ربی لاکونن من القوم الضالین فلما اصبح ورأی الشمس
بازغة قال هذا ربی هذا اکبر من الزهرة والقمر علی
الانکار والاستخبار لا علی الاخبار والاقرار فلما افلت
قال للاصناف الثلاثة من عبدة الزهرة والقمر و
الشمس یا قوم انی بریٔ مما تشرکون انی وجهت وجهی
للذی فطر السماوات والارض حنیفا وما انا من
المشرکین وانما اراد ابراهیم بما قال ان یبین لهم
بطلان دینهم ویثبت عندهم ان العبادة لخالقها
وخالق السماوات والارض وکان ما احتج به علی قومه
ما الهمهم الله وآتاه کما قال اللہ تعالیٰ وتلک حجتنا آتیناها
ابراهیم علی قومه نرفع درجات من نشاء فقال المامون
للہ درک یا ابن رسول اللہ ـــ

آپ سے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا قول اللہ عز وجل فلما جن علیه
اللیل فرأی کوکبا قال هذا ربی کے بارے میں خبر دیجئے
امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام کا سابقہ تین
قسم کے لوگوں سے ہوا۔ ایک قسم زہرہ کی پرستش کر رہی تھی اور
ایک قسم چاند کی پرستش کر رہی تھی۔ اور ایک قسم آفتاب کی پرستش
کر رہی تھی یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ اس غار سے
باہر آئے ہیں جس میں چھپے ہوئے تھے پس جب رات چھا گئی
تو آپ نے زہرہ کو دیکھکر بطریق انکار و استخبار فرمایا کیا یہ میرا
رب ہے؟ پس جب وہ ستارہ ڈوبا تو آپ نے فرمایا کہ
میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیونکہ ڈوبنا حادث
کے صفات میں سے ہے نہ کہ قدیم کے صفات میں سے پس
جب آپنے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بطور انکار و استخبار فرمایا
کیا یہ میرا رب ہے؟ پس جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے
فرمایا کہ اگر میرا رب مجھکو ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں سے
ہو جاتا۔ جب صبح ہوئی اور آپنے آفتاب کو چمکتے ہوئے
دیکھا تو بطور انکار و استخبار فرمایا کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ تو
زہرہ اور ماہتاب سے بڑا ہے پس جب وہ بھی ڈوب گیا تو
آپنے زہرہ و ماہتاب و آفتاب تینوں قسموں کے پرستاروں سے
فرمایا اے قوم میں تمہارے شرک سے علیٰحدگی رکھتا ہوں،
میں نے اپنا منہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف
رجوع قلب کے ساتھ موڑ دیا ہے اور میں مشرکین میں سے
نہیں ہوں۔ ابراہیمؑ کا ارادہ اپنے قول سے صرف یہ تھا کہ ان کے دین کے بطلان

کو ظاہر فرما دیں اور اُن پر یہ ثابت کر دیں کہ عبادت مذکورہ اشیاء (زہرہ، قمر، شمس) اور زمین و آسمان کے خالق کے لئے ہونی چاہئے۔ اور جن باتوں سے ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر حجت قائم کی وہ ان پر اللہ تعالیٰ نے الہام کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ہماری وہ دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے برخلاف دی، ہم جسکے مراتب چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔ پس مامون نے کہا۔ فرزند رسولؐ خدا آپ کا بھلا کرے آپ کی فہم اللہ کا عطیہ ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْعَالَمِينَ

"یہ اگلے پیغمبر وہ لوگ تھے جن کی خدا نے ہدایت کی پس تم بھی انکی ہدایت کی پیروی کرو۔ تم لوگوں سے کہو کہ میں تم سے اس (رسالت) کی مزدوری کچھ نہیں چاہتا۔ یہ تو سارے جہان کے لئے صرف نصیحت ہے"

اس آیت میں خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو محض عقائد حقہ و اخلاق حمیدہ میں انبیائے سابقین کی پیروی کا حکم دیا ہے منجملہ ان کے ایک امر کی تصریح بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ امت کو جتا دیں کہ تبلیغ رسالت پر اُن سے کسی اجر کے طالب نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا ہے فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل یعنی اے رسولؐ کفار کی ایذا رسانی پر تم بھی اسی طرح صبر کرو جس طرح انبیائے اولی العزم کرتے رہے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے آنحضرتؐ کو انبیائے سابقین کی شریعتوں کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ ایسے حکم کا صادر کیا جانا کسی طرح ممکن نہیں، اس لئے ہم نے بحث نسخ میں ثابت کر دیا ہے کہ اگلے انبیائے مرسلین کی شریعتیں ایک دوسرے سے اختلاف و تناقض رکھتی تھیں جس سے ایک ہی وقت میں ان سب پر عمل کرنا غیر ممکن ہے۔ پس ایسے محال امر کا حکم خداوند عالم کی جانب سے صادر نہیں ہو سکتا۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ

maablib.org

"اور لوگوں نے جنات کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ جنات کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا اس پر ان لوگوں نے خدا کے لئے بیٹیاں گڑھ ڈالیں جو باتیں یہ لوگ (اس کی شان میں) بیان کرتے ہیں اس سے وہ پاک و پاکیزہ اور برتر ہے"

(۱) "جن" کو شریک باری تعالیٰ قرار دینے والے مجوس ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ عالم میں دو خالق موجود ہیں ایک یزداں (خدا) ہے جو امور خیر کا خالق ہے اور دوسرا اہرمن (شیطان) ہے جو شرور و آفات کو خلق کرتا ہے۔

(۲) اس قول "وخرقوا له بنین وبنات" میں یہود و نصاریٰ و مشرکین کے اقوال کی حکایت کی گئی ہے۔ یہود و نصاریٰ عزیر اور مسیح کو ابن اللہ بتاتے ہیں اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں کہتے ہیں۔

اَنّٰى تَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

"اس کے کوئی لڑکا کیونکر ہو سکتا ہے جب اس کے کوئی بی بی ہی نہیں ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز سے خوب واقف ہے۔"

امام رازی اس قول باری تعالیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

ان تلك الولادة لا تصح الا ممن كانت له صاحبة وشهوة وينفصل عنه جزء ويحتبس ذلك الجزء في باطن تلك الصاحبة وهذه الاحوال انما تثبت في حق الجسم الذي تصح عليه الاجتماع والافتراق والحركة والسكون والحد والنهاية والشهوة واللذة وكل ذلك على خالق العالم محال وهذا هو المراد من قوله انّى يكون له ولد ولم تكن له صاحبة۔

"بیشک ایسی ولادت اسی سے ہو سکتی ہے جس کے بیوی ہو اور شہوت رکھتا ہو۔ اور اس سے ایک جزء علیحدہ ہو اور وہ جزء اس کی بیوی کے اندر محبوس ہو اور یہ حالات اسی جسم کے حق میں ثابت ہوتے ہیں جس کے لئے اجتماع و افتراق حرکت و سکون، حد و نہایت، شہوت و لذت صحیح ہو اور یہ کل حالات خالق عالم کے لئے محال ہیں اور یہی مراد ہے اس کے قول انّی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة سے"

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

"اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ (لوگوں کی) نظروں کو خوب دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین و خبردار ہے"

اس مسئلہ میں کہ خدا دنیا و آخرت میں دکھائی دے سکتا ہے یا نہیں علماء اسلامیہ کے اقوال و عقائد مختلف ہیں اشاعرہ کا قول یہ ہے کہ انسان خداوند عالم کو دنیا و آخرت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور مومنین کو آخرت میں اس کا دیدار نصیب بھی ہوگا۔ چنانچہ ملا ابوالعلی شرح مواقف میں لکھتے ہیں۔

قال الآمدي اجتمعت الائمة من اصحابنا على ان رؤيته تعالى في الدنيا والآخرة جائزة عقلاً واختلفوا في جوازها سمعاً في الدنيا فاثبته بعضهم ونفاه آخرون۔

"یعنی آمدی کا بیان ہے کہ ہمارے تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ خدا کا دیدار دنیا اور آخرت میں عقلاً جائز ہے البتہ دنیا میں خدا کے دیدار ہونے پر سمعی دلیل کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہے کچھ لوگوں نے اس کو ثابت کیا ہے کچھ لوگوں نے انکار کیا ہے (شرح مواقف صفحہ ۶۱ مطبوعہ لکھنؤ)

نیز ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور محقق دوانی نے شرح عقائد عضدیہ میں اور واضح لکھا ہے۔

برخلاف اس کے شیعہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ کسی عالم میں رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں محسوس و مرئی ہونا شانِ الوہیت کے منافی ہے اگر عقل سلیم کے معیار پر جانچ کی جائے تو یہی رائے صحیح و صائب ثابت ہوگی کیونکہ جس ذات کو جسمیت اور اس کے لوازم یعنی جہت و مکان وغیرہ سے کوئی واسطہ نہ ہو اس کا مرئی و محسوس ہونا کسی وقت اور کسی عالم میں ممکن نہیں ہو سکتا جو لوگ اس کی رویت کو جائز و ممکن بتلاتے ہیں وہ درحقیقت اس کی جسمیت و مکانیت اور تحدید و تشبیہ کے قائل ہیں اگرچہ صاف لفظوں میں اس کا اقرار نہیں کرتے۔

نفیِ رویت کے دلائل

منجملہ ان آیات کے جن سے علمائے شیعہ نے اپنے مذہب نفی رویت پر استدلال کیا ہے ایک آیت "لا تدرکه الابصار الخ" بھی ہے، چنانچہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں تحریر فرمایا ہے۔

هذه الآية احدى الدلالات التي استدل بها النافون للرؤية وقرروها بوجهين (احدهما) ان ادراك البصر عبارة شايعة في الادراك بالبصر اسناداً للفعل الى الآلة والادراك بالبصر هو الرؤية بمعنى اتحاد المفهومين او تلازمهما والجمع المحلى

"یہ آیت ان دلالتوں میں سے ایک دلالت ہے جن سے نفی رویت کے قائلین نے استدلال کیا ہے اور اس کی تقریر دو طرح پر کی ہے اول یہ کہ ادراک البصر ادراک بالبصر میں شائع (و مشہور) تعبیر ہے یعنی فعل کی آلہ کی طرف اسناد کرتے ہیں اور ادراک بالبصر خود رویت ہے بایں معنی کہ دونوں مفہوم متحد ہیں یا دونوں

باللام عند عدم قرينة العهدية والبعضية للعموم والاستغراق باجماع اهل العربية والاصول وائمة التفسير وبشهادة استعمال الفصحاء وصحة الاستثناء فالله سبحانه قد اخبر بانه لا يراه احد في المستقبل فلو رآه المؤمنون في الجنة لزم كذبه تعالى وهو محال واعترض عليه بان اللام في الجمع لو كان للعموم والاستغراق كما ذكرتم كان قوله تدركه الابصار موجبة كلية وقد دخل عليها النفي فرفعها وهو رفع الايجاب الكلي و رفع الايجاب الكلي سلب جزئي ولو لم يكن للعموم كان قوله لا تدركه الابصار سالبة مهملة في قوة الجزئية فكان المعنى لا تدركه بعض الابصار ونحن نقول بموجبه حيث لا يراه الكافرون ولو سلم فلا نسلم عمومه في الاحوال والاوقات فيحمل على نفي الرؤية في الدنيا جمعا بين الادلة والجواب انه قد تقرر في موضعه ان الجمع المحلى باللام عام نفيا واثباتا في المنفي والمثبت كقوله تعالى وما الله يريد ظلما للعباد وما على المحسنين من سبيل حتى انه لم يرد في سياق النفي في شيء من الكتاب الكريم الا بمعنى عموم النفي ولم يرد لنفي العموم اصلا نعم قد اختلف في النفي الداخل على لفظة كل لكنه في القرآن المجيد ايضا بالمعنى الذي ذكرنا كقوله تعالى والله لا يحب كل مختال فخور الى غير ذلك وقد اعترف بما ذكرنا في شرح المقاصد وبالغ فيه واما منع

میں تلازم ہے - اور قرینہ عہدیت اور بعضیت نہ ہونے کے وقت وہ جمع جو الف لام کے ساتھ ہوگی باجماع اہل عربیت و اہل اصول و ائمہ تفسیر نیز استعمال فصحا کی شہادت اور صحت استثناء کے ذریعہ سے عموم و استغراق کے لئے ہے - چنانچہ خدا نے خبر دی ہے کہ اس کو کوئی مستقبل میں نہیں دیکھے گا پس اگر اسکو مومنین جنت میں دیکھیں تو اس کا کاذب ہونا لازم آئے گا - اور یہ محال ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جمع میں لام تمہارے بیان کے مطابق اگر عموم و استغراق کے لئے ہوگا تو اس کا قول تدرکہ الابصار موجبہ کلیہ ہوگا اور اس پر نفی داخل ہوئی ہے جس نے اس کو رفع کر دیا - اور یہ رفع ایجاب کلی ہوا - اور رفع ایجاب کلی سلب جزئی کی حیثیت رکھتا ہے - اور اگر عموم کے لئے نہ ہوگا تو اس کا قول لا تدرکہ الابصار سالبہ مہملہ قوت میں جزئیہ کی ہوگا پس معنی لا تدرکہ بعض الابصار ہو جائیں گے اور ہم اسی کے قائل ہیں کیونکہ اس کو کافرین نہ دیکھیں گے اور اگر عموم تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم عموم فی الاحوال و الاوقات کو تسلیم نہیں کریں گے - پس کل دلیلوں کو جمع کرتے ہوئے دنیا کی رویت کی نفی پر حمل کیا جائے گا -

جواب یہ ہے کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ جو جمع لام کے ساتھ ہو منفی و مثبت میں بلحاظ نفی و اثبات عام ہوتی ہے جیسے کہ قول باریتعالی وما الله يريد ظلما للعباد اور وما على المحسنين من سبيل یہانتک کہ کتاب کریم (قرآن) میں سیاق نفی میں جو کچھ وارد ہوا ہے عموم النفی کے معنی میں وارد ہوا ہے

عموم الاحوال والاوقات فلا يخفى فساده فان النفي المطلق الغير المقيد لا وجه لتخصيصه ببعض الاوقات اذ لا ترجيح لبعضها على بعض وهو احد الادلة على العموم عند علماء الاصول والفصاحة الاستثناء دليل عليه وهل يمنع احد صحة قولنا ما كلمت زيدا الا يوم الجمعة ولا كلمته الا يوم العيد وقال تعالى ولا تعضلوهن الى قوله الا ان يأتين وقال ولا تخرجوهن الى قوله الا ان يأتين وايضا كل نفي ورد في القرآن بالنسبة الى ذاته تعالى فهو للتأبيد وعموم الاوقات لا سيما في ما قبل هذه الآية ايضا وعدم ادراك الابصار جميعا لشيء لا يختص بشيء من الموجودات خصوصا مع اعتبار شمول الاحوال والاوقات فلا يختص به تعالى فتعين ان يكون المتمدح بعدم ادراك شيء من الابصار له في شيء من الاوقات -

وثانيهما انه تعالى تمدح بكونه لا يرى ذكره في اثناء المدائح وما كان من الصفات عدمه مدحا كان وجوده نقصا يجب تنزيه الله تعالى عنه وانما قلنا من الصفات احترازا عن الافعال كالعفو والانتقام فان الاول تفضل والثاني عدل وكلاهما كمال -

نفی العموم کے لئے قطعاً وارد نہیں ہوا - ہاں اس نفی میں جو لفظ کل پر داخل ہو اختلاف ہے لیکن یہ بھی قرآن مجید میں ہمارے ذکر کئے ہوئے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے - جیسے قول باریتعالی :- والله لا يحب كل مختال فخور وغیرہ اور شرح مقاصد میں ہمارے اس دعوے کا اعتراف کرتے ہوئے کافی زور دیا ہے اور احوال و اوقات کے عموم کو منع کرنا ظاہر الفساد ہے کیونکہ مطلق نفی کو جو غیر مقید ہے بعض اوقات کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات کو دوسرے بعض پر کوئی ترجیح نہیں ہے اور علمائے اصول کے نزدیک یہ بھی عموم کی ایک دلیل ہے - نیز استثناء کا صحیح ہونا بھی عموم پر دلیل ہے اور کیا کوئی شخص ہمارے قول :- ما كلمت زيدا الا يوم الجمعة اور لا اكلمه الا يوم العيد کی صحت کا انکار کر سکتا ہے اور قول باریتعالی ولا تعضلوهن سے الا ان يأتين اور لا تخرجوهن سے الا ان يأتين کے استثناء کی صحت کا انکار کر سکتا ہے - علاوہ ازیں جو نفی قرآن میں بلحاظ ذات احدیت وارد ہوئی ہے نیز کسی شئے کو تمام ابصار کا ادراک نہ کرنا موجودات میں سے کسی سے مخصوص نہیں ہے - خصوصاً احوال و اوقات کے شمول کے اعتبار کے ساتھ - پس اس سے باری تعالی مخصوص نہیں ہو سکتا تو متعین ہو گیا کہ ہمہ اوقات میں ابصار کے ادراک نہ کرنے میں نہ آنا اللہ ہی کی صفت ہے - دوسری وجہ یہ ہے کہ باری تعالی نے اپنے غیر مرئی ہونے کی مدح کی ہے اور اسکو مدائح کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور صفات میں سے جس صفت کا عدم قابل مدح ہوگا اس کا وجود نقص ہوگا اور اللہ تعالی کا اس قسم کے نقص سے منزہ ہونا واجب ہے اور ہم نے صفات کی قید اس لئے لگائی کہ افعال سے مثلاً عفو اور انتقام سے احتراز ہو جائے کیونکہ پہلا تفضل ہے اور دوسرا عدل ہے اور دونوں کمال ہیں -

صحیح دواں اور عموم اوقات کے لیے خصوصاً ان آیات سے قبل جو نفی وارد ہوئی ہے -

احادیث ائمہؑ

یہاں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے چند افادات بھی نقل کیے جاتے ہیں جن میں نفی رویت پر قوی دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) من ابی ہاشم الجعفری قال قلت لابی جعفر بن الرضا علیہما السلام لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار فقال یا ابا ہاشم اوھام القلوب ادق من ابصار العیون انت قد تدرک بوھمک السند والہند والبلدان التی لم تدخلھا ولا تدرکھا ببصرک فاوھام القلوب لا تدرکہ فکیف ابصار العیون۔

"ابو ہاشم جعفری سے مروی ہے کہ میں نے ابو جعفر بن الرضا علیہما السلام سے عرض کی۔ "اس کو آنکھیں ادراک نہیں کرتیں اور وہ آنکھوں کو ادراک کرتا ہے"؟ آپ نے فرمایا اے ابو ہاشم دلوں کے خیالات آنکھوں کی بصارت سے زیادہ دقیق ہیں۔ تو تم ہے اپنے خیال کے ذریعہ سے سندھ اور ہند اور ان بلاد کو جن میں تو نہیں گیا دریافت کر لیتا ہے مگر اپنی نگاہ سے نہیں معلوم کر سکتا تو جب اس کو دلوں کے خیالات نہیں ادراک کر سکتے تو بھلا آنکھوں کی بصارت کیسے ادراک کر سکتی ہے؟"

(۲) عن احمد بن اسحاق قال کتبت الی ابی الحسن الثالث علیہ السلام اسئلہ عن الرویۃ وما فیہ الخلق فکتب علیہ السلام لا یجوز الرویۃ ما لم یکن بین الرائی والمرئی ھواء ینفذہ البصر فمتی انقطع الھواء وعدم الضیاء من الرائی والمرئی لم تصح الرویۃ وکان فی ذلک الاشتباہ لان الرائی متی ساوی المرئی فی السبب الموجب بینھما الرویۃ وجب الاشتباہ وکان فی ذلک التشبیہ لان الاسباب لابد من اتصالھا بالمسببات۔

"احمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے ابو الحسن الثالث علیہ السلام سے رویت اور اس میں لوگوں کے اختلافات کے بارے میں لکھ کر سوال کیا پس حضرت نے تحریر فرمایا کہ "جب تک رائی (دیکھنے والے) اور مرئی (جس کو دیکھا جائے) کے درمیان ایسی ہوا جس میں نظر نفوذ کرتی ہے نہ ہو رویت جائز نہیں ہے پس جب ہوا منقطع ہو اور ضیا (روشنی) معدوم ہو تو رویت صحیح نہ ہوگی۔ اور اسی سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ رائی اور مرئی جب اس سبب میں جو ان کے درمیان رویت کا موجب ہے مساوی ہوں گے تو اشتباہ ضروری ہے اور اسی سے تشبیہ کے رخ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کا مسببات سے اتصال ضروری ہے"

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:-

استدل علیہ السلام علی عدم جواز الرویۃ بانھا تستلزم کون المرئی جسمانیا ذا جھۃ وحیز وبین ذلک بانہ لابد ان یکون بین الرائی والمرئی ھواء ینفذہ البصر

"امام علیہ السلام کا استدلال رویت کے ناجائز ہونے پر بایں طور ہے کہ رویت مرئی کے جسمانی اور صاحب جہت و مکان ہونے کو مستلزم ہے اور اس کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ رائی اور مرئی کے مابین

وظاھر کون الرؤیۃ بخروج الشعاع وان امکن ان یکون کنایۃ عن تحقق الابصار بذلک وتوقفہ علیہ فاذا لم یکن بینھما ھواء او انقطع الھواء وعدم الضیاء الذی ھو ایضاً من شرائط الرویۃ عن الرائی والمرئی لم تصح الرویۃ بالبصر وکان فی ذلک ای فی کون الھواء بین الرائی والمرئی الاشتباہ یعنی شبہ کل منھما بالآخر یقال اشتبھا اذا اشبہ کل منھما بالآخر ان الرائی متی ساوی المرئی وماثلہ فی النسبۃ الی السبب الذی اوجب بینھما الرویۃ وجب الاشتباہ ومشابھۃ احدھما الآخر فی توسط الھواء بینھما وکان فی ذلک التشبیہ ای کون الرائی والمرئی فی طرفی الھواء الواقع بینھما یستلزم الحکم بمشابھۃ المرئی بالرائی من الوقوع فی جھۃ لیصح کون الھواء بینھما فیکون متحیزا ذا صورۃ وضعیۃ فان کون الشیء فی طرف مخصوص من طرفی الھواء وتوسط الھواء بینہ وبین شیء آخر سبب عقلی للحکم بکونہ فی جھۃ ومتحیزا ذا وضع وھو المراد بقولہ لان الاسباب لابد من اتصالھا بالمسببات ویحتمل ان یکون ذلک تعلیلا لجمیع ما ذکر من کون الرؤیۃ متوقفۃ علی الھواء الی آخر ما ذکر وحاصلہ یرجع الی ما ادعاہ جماعۃ من اھل الحق من العلم الضروری بان الادراک المخصوص المعلوم بالوجہ الممتاز عن غیرہ لا یمکن ان یتعلق بما لیس فی جھۃ والا لم یکن للبصر مدخل فیہ

ہوا کا ہونا ضروری ہے جس میں نگاہ گزرے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ رویت شعاع کے خارج ہونے سے ہوتی ہے اگرچہ ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ سے دکھائی دینے سے کنایہ مقصود ہو۔ پس جب ان (رائی و مرئی) دونوں کے مابین ہوا نہ ہو۔ یعنی ہوا منقطع ہو جائے اور ضیا (روشنی) بھی معدوم ہو جائے جو رائی اور مرئی کی رویت کے شرائط میں سے ہے تو آنکھ سے دکھائی دینا صحیح نہ ہوگا۔ اور ہوا کے رائی اور مرئی کے درمیان ہونے میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا یعنی ہر ایک دوسرے سے مشابہ ہو جائے گا جب ہر ایک دوسرے کے مانند ہو جاتا ہے تو لفظ اشتباہ بولا جاتا ہے کیونکہ جب رائی اور مرئی کی نسبت اس سبب کی طرف جس نے ان کے درمیان رویت واجب کی ہے برابر ہوگی۔ تو اشتباہ اور ایک کا دوسرے سے (ہوا کے دونوں کے درمیان واسطہ ہونے میں) مشابہ ہونا ضروری ہوگا۔ اور اس تشبیہ میں یعنی رائی اور مرئی کے اس ہوا کے دونوں کناروں پر ہونے میں جو ان کے مابین واقع ہے مرئی کا رائی سے مشابہ ہونے کا حکم جہت میں واقع ہونے کی وجہ سے لازم آتا ہے تاکہ ہوا کا ان کے مابین ہونا صحیح ہو جائے۔ پس وہ مرئی صورت وضعیہ رکھنے والا صاحب حیز (مکانی) ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی چیز کا ہوا کے دونوں طرفوں میں سے ایک مخصوص طرف میں ہونا اور اس کے اور دوسری شے کے درمیان ہوا کا درمیانی ہونا

ولا کسب لرؤیته بل المدخل فی ذلک للعقل فلا وجه
حینئذٍ لتسمیة ابصاراً اذ الحاصل ان الابصار بهذا
الحاسة یستحیل ان یتعلق بما لیس فی جهة بداهة
والا لم یکن لها مدخل فیه وهم قد جوزوا الادراک
بهذه الجارحة الحساسة وایضاً هذا النوع من الادراک
یستحیل ضرورة ان یتعلق بما لیس فی جهة مع قطع
النظر عن ان تعلق بهذه الحاسة لیست علی الجهة
والمقابلة وما ذکر الفخر الرازی من ان الضروری لا
یصیر محالاً للخلاف وان الحکم المذکور حکم بقضیة
الوهم ولیس علیه وهو لیس مامونا لظهور خطائه
فی الحکم بتجسم الباری تعالی وتحیزه وما ظهر خطائه
مرة فلا یؤمن بل یتهم ففاسد لان خلاف بعض
العقلاء فی الضروریات جائز کالسوفسطائیة
والمعتزلة فی قولهم بانفکاک الشیئیة والوجود و
ثبوت الحال واما قوله بان حکم الوهم الغیر المامون
فضعیف جداً لانه ینتقض بجمیع احکام العقل لانه
ایضاً مما ظهر خطائه مراراً وایضاً من خلیة الوهم
فی الحکم المذکور ممنوع وانما هو عقلی صرف عندنا
وکذلک لیس کون الباری تعالی متحیزاً مما یحکم
به ویجزم بل هو تخییل یجری مجری سائر الاکاذیب
فی الوهم فان صوره وخیله الینا لکن العقل
لا یکاد یجوزه بل یحیل ویجزم ببطلانه وکون

اس کے جہت میں ہونے اور متحیز ہونے اور صاحب وضع ہونے
کے حکم لگانے کا عقلی سبب ہے اور لان الاسباب لابد
من اتصالها بالمسببات (اس لئے کہ اسباب کا مسببات
سے متصل ہونا ضروری ہے) سے یہی مراد ہے اور یہ بھی
احتمال ہے کہ تمام مذکورۂ بالا عبارت کی یہ علت بیان کی گئی
ہو اس کا خلاصہ وہی ہے۔ جس کا اہل حق کی ایک جماعت نے
دعویٰ کیا ہے کہ یہ بات بالضرورت معلوم ہے کہ ایسا مخصوص
ادراک جو اس طرح سے معلوم ہو جو اس کو غیر سے ممتاز کردے
ممکن ہی نہیں ہے کہ اس چیز سے متعلق ہو جائے جو کسی جہت
میں نہ ہو ورنہ بصر (آنکھ) کو اس میں دخل نہ ہوگا اور اس کی
رویت حاصل نہ ہوگی بلکہ عقل کو اس میں دخل ہوگا بس اس کا ابصار
نام رکھنے کی کوئی وجہ نہیں حاصل یہ ہے کہ ابصار اس حاسہ
(بصر) کے ذریعہ سے محال ہے کہ ایسی چیز سے متعلق ہو جو کسی جہت
میں نہ ہو ورنہ اس حاسہ کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ حالانکہ انھوں
نے اس حاسہ (بصر) کے ذریعہ سے ادراک جائز قرار دیا ہے
نیز اس طرح کے ادراک کا ایسی چیز سے جو کسی جہت میں نہ ہو متعلق
ہونا محال ہے چاہے اس سے قطع نظر بھی کر لی جائے کہ یہ حاسہ
جہت اور مقابلہ چاہتا ہے۔ اور یہ جو فخر الدین رازی نے
ذکر کیا ہے کہ بدیہی بات اختلاف کی وجہ سے محال نہیں ہو سکتی۔
اور حکم مذکور حکم وہم ہے اور حکم وہمی کا یقین ہے اور وہم خطا
سے محفوظ نہیں ہے کیونکہ باریتعالیٰ کے جسمانی اور متحیز ہونے کا حکم
لگانے میں اس کا خطا کرنا ظاہر ہو چکا ہے اور جس کا خطا کرنا

ظهور الخطاء مرة سبباً لعدم ایتمان المخطی وانها
ممنوع ایضاً والا تیح فی الحسیات وسائر الضروریات
وقد تقرر بطلانه فی موضعه فی اذ شبهة القادحین فی
الضروریات۔

ایک دفعہ ظاہر ہو گیا وہ مامون نہیں ہوگا بلکہ متہم ہوگا ۔
(یہ قول رازی) فاسد ہے کیونکہ بعض عقلا کا ضروریات میں اختلاف
کرنا جائز ہے جیسے کہ سوفسطائیہ اور معتزلہ نے شیئیت اور
وجود کے انفکاک اور ثبوت الحال میں اختلاف کیا ہے لیکن

اس (رازی) کا یہ کہنا کہ حکم وہم غیر مامون ہے بہت عجیب ہے کیونکہ اس پر تمام احکام
عقلیہ کے ذریعہ سے نقض وارد ہوگا۔ کیونکہ یہاں بھی اسکی مراد کا غلط ہونا بکرات ومرات
ظاہر ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں حکم مذکور میں وہم کی مدخلیت ممنوع ہے کیونکہ یہ حکم ہمارے
نزدیک صرف عقلی ہے اور اسی طرح باری تعالیٰ کا متحیز نہ ہونا بھی اس کا حکم ہے تو یہ بھی
ایک خیالی بات ہو جائے گی۔ جو ساری جھوٹی باتوں کی طرح ہوگی۔ اس بارے میں گرچہ وہم
اگرچہ ہمارے تصور وخیال میں کوئی چیز پیدا کر دے لیکن عقل اس کو درست نہیں قرار دیگی
بلکہ محال قرار دے گی اور اس کے بطلان کا یقین کرے گی۔ اور ایک دفعہ خطا کا ظاہر ہونا
خطا کار کے غیر مامون ہونے اور متہم ہونے کا سبب ہو جائے ممنوع ہے ورنہ حسیات
اور تمام ضروریات میں خرابی آ جائے گی اور اس کا بطلان اپنی جگہ پر جہاں ضروریات میں قدح
کرنے والوں کی رد کی گئی ہے کیا جا چکا ہے۔"

(۳۳) جناب امام علی رضا علیہ السلام نے ایک طویل حدیث میں فرمایا ہے:۔

وقد قال ولا یحیطون به علماً فاذا رأته الابصار فقد
احاط به العلم۔

"خود خدا کا ارشاد ہے کہ باعتبار علم لوگ اس کا احاطہ نہیں
کرسکتے تو جب نگاہیں دیکھ لیں گی تو بحیثیت علم کے اسکا احاطہ ہو جائیگا"

جزء ہفتم تمام شد

الجزء الثامن (۸)

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ

"اور (اے رسولؐ سچ تو یوں ہے کہ) ہم اگر ان کے پاس فرشتے بھی نازل کرتے اور ان سے مردے بھی باتیں کرنے لگتے اور تمام (مخفی) چیزیں (جیسے جنت و نار وغیرہ) گروہ گروہ ان کے سامنے لا کھڑے کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے، مگر جب اللہ چاہے۔ لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے"

(۱) پروردگار عالم نے اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کفار اظہار آیات کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ تقسیم کھاتے ہیں کہ اگر ان کی شرط پوری کر دی جائے تو مومن ہو جائیں گے۔ ان کا باطنی عناد اور ملکہ کفر و عصیان اس حد شدت و رسوخ کو پہنچا ہوا ہے کہ اگر ملائکہ ان کے روبرو آ کر رسولؐ کی تصدیق کریں اور مردے زندہ ہو کر ان سے یہ کہیں کہ خدا کی وحدت اور رسولؐ کی رسالت حق ہے۔ اور اسی طرح وہ تمام آیات جن کا مطالبہ کیا جاتا ہے ان کے سامنے لا کر جمع کر دیں تب بھی وہ اپنی مرضی و اختیار سے ایمان و اطاعت حق قبول نہ کریں گے۔ جب تک کہ خدا اپنی مشیت سے ان کو اس پر مجبور نہ کرے اور اس کی ذات میں یہ قدرت موجود ہے۔ کہ جب چاہے ان کفار کو بجبر و اکراہ مومن و مطیع بنا لے مگر اکثر جاہل اس کی قدرت کاملہ سے ناواقف ہیں۔ ہم نے پہلے متعدد مواقع میں تصریح کر دی ہے کہ مدار تکلیف اسی پر ہے کہ بندوں کے اختیار میں فرق نہ ہو۔ جبر و اکراہ کے ساتھ تکلیف امتحانی باقی نہیں رہ سکتی اور نہ بعثت رسل و اظہار معجزات میں کوئی فائدہ متصور ہو گا۔

(۲) کلام الٰہی "الا ان یشاء اللہ" صاف طور سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ باری تعالیٰ کا مشیت و ارادہ قدیم و ازلی نہیں بلکہ حادث و متجدد ہے یعنی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اگر یہ صورت نہ ہوتی تو یہاں استثنار صحیح نہ ہوتا اور یہ کلام بالکل بے معنی ہو جاتا کہ "یہ لوگ کبھی ایمان نہ لائیں گے مگر جب خدا چاہے۔"

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ

"اور (اے رسول جس طرح یہ کفار تمہارے دشمن ہیں) اسی طرح (گویا) ہم نے (خود آزمائش کے لئے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا وہ لوگ ایک دوسرے کو فریب دینے کی غرض سے چکنی چپڑی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرنے پاتے تو ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دو"

(۱) "شیاطین الانس" سے وہ کفار مراد ہیں جو دوسروں کے اغوا و اضلال میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) خداوند عالم نے اس آیت میں بغرض تسلیہ و تسکین قلب اپنے رسولؐ سے یہ فرمایا ہے کہ اگر شیاطین الانس و جن تمہارے دشمن ہو رہے ہیں تو اس کا غم نہ کھاؤ کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہر نبی کے عہد میں ایسے ہی شیاطین موجود رہے ہیں۔ جو ان کے دشمن رہتے اور اذیت دیتے تھے۔

(۳) اس کلام ربانی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اشرار و شیاطین کے قلوب میں انبیا کی عداوت خلق کر دی تھی۔ اس لئے وہ مجبوراً ان کے دشمن بن گئے تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس[عہ] کو بجبر و اکراہ ترک نہیں کرایا۔ کیونکہ وہ مکلف تھے، اور سلب اختیار سے تکلیف باطل ہو جاتی۔ اور اسی مطلب کو خداوند عالم نے "ولو شاء ربك ما فعلوه" فرما کر واضح کر دیا ہے۔ یعنی مشیت ربانی میں یہ طاقت موجود تھی کہ ان کو عناد و عداوت کے طریقے پر چلنے نہ دیتی۔ مگر ایسا نہیں کیا تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ نیز یہ جملہ "فذرهم وما يفترون" بھی اسی مطلب کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "اے رسولؐ جس طرح ہم نے ان شیاطین کو ان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے اسی طرح تم بھی چھوڑ دو اور افترا پردازی کرنے دو"

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ

[عہ] خدا نے ان شیاطین کو عداوت و مخالفت انبیاء پر مجبور نہیں کیا اور انبیاء کی طرف سے عداوت ان کے قلوب میں تھی اور اذیت رسانی کا جو کام وہ کرتے تھے وہ انھوں نے اپنے اختیار سے کیا تھا۔

مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ "اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ (قرآن بھی) تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل کیا گیا ہے تو تم (کہیں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔"

اس جملہ میں اگرچہ خطاب بظاہر نبیؐ سے ہے مگر مراد امت ہے (اس کی اکثر مثالیں پہلے گذر چکیں اور آئندہ بھی آئینگی) اور محصل یہ ہے کہ تم کو اس بات میں شک نہ ہوگا مومنین اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن بیان حق کے لئے خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

"اور سچائی اور انصاف میں تو تمہارے پروردگار کی بات پوری ہو گئی کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہی بڑا سننے والا واقف کار ہے۔"

"کلمۂ رب" سے حجت خدا مراد ہے جس میں قرآن مجید بھی شامل ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجت خدا تمام و کمال کی حد کو پہونچی ہوئی ہے کسی کمی و زیادتی کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اس کی جملہ خبریں محض صدق اور تمام اوامر و نواہی خالص عدل و انصاف ہیں۔ کذب و جور کا مطلق شائبہ نہیں۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○

"اور (اے رسولؐ) دنیا میں تو بہتیرے لوگ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے کہنے پر چلو تو تم کو خدا کی راہ سے بہکا دیں۔ یہ لوگ تو صرف اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ تو بس اٹکل پچو باتیں کیا کرتے ہیں۔"

(۱) کفار مکہ مردار کھاتے اور مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم خود جس کو مار ڈالتے ہو اسے تو کھاتے ہو۔ اور جس کو خدا نے مار ڈالا ہے اس کو حرام جانتے ہو۔ حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ پروردگار عالم نے پہلے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اس معاملہ میں کفار کا اتباع نہ کریں۔ پھر یہ ظاہر فرمایا کہ کفار جو کچھ کہتے ہیں محض ظن و قیاس ہے جس کو صحت سے واسطہ نہیں۔ (مردار کھانا صحت جسمانی کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے لہذا اس کو ذبیحہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے خدا کا نام لیکر ذبح کرنے سے شرک کا ابطال ہوتا ہے اور یہ فائدہ دوسری صورت میں حاصل نہیں ہوتا)

(۲) ان آیات سے دو ضروری باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ دین کے معاملہ میں تقلید اور خواہش اور اتباع

ظن و قیاس جائز نہیں کیونکہ ایسی دو چیزوں میں جن کی ظاہری حالت یکساں دکھائی دیتی ہو کبھی مخفی فرق موجود ہوتا ہے جو بادی النظر میں معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا اپنی ظاہر بین نظر پر اعتماد کر کے دونوں کو ایک حکم میں متحد سمجھ لینا خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ پروردگار عالم نے اکثر اہل ارض کے اتباع کو گمراہی کا باعث بتا کر یہ ظاہر کر دیا کہ معرفت حق کے معاملہ میں تعداد کی قلت و کثرت کا اعتبار کچھ بھی نہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جدھر جم غفیر و سواد اعظم ہے حق اسی طرف ہوگا۔ بلکہ حق کبھی ایسی جماعت کے ساتھ ہوتا ہے جس کی قلت تعداد ناقابل التفات سمجھی جاتی ہے لہذا کسی جماعت کی کثرت کو حقیقت کی دلیل تصور کر لینا نظر عقل کی نہایت مہلک خطا ہے۔ طلب حق کی راہ میں حجج و براہین پر نظر کرنی چاہئے نہ کہ جماعت کی قلت و کثرت پر۔ اس مطلب کو امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حارث ہمدانی کو مخاطب کر کے جیسے مختصر و جامع کلام میں بیان فرمایا ہے کسی دوسری زبان سے ممکن نہیں اور وہ یہ ہے یا حارث الحق لا یعرف بالرجال اعرف الحق تعرف اہلہ" یعنی حق کی معرفت لوگوں کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ پہلے حق کو پہچانو پھر اس کے ذریعے سے اہل حق کو پہچان لوگے۔"

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ○

"(اے لوگو) ظاہری اور باطنی گناہ (دونوں) کو (بالکل) چھوڑ دو جو لوگ گناہ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے اعمال کا عنقریب ہی بدلا دیا جائے گا۔"

"ظاہر الاثم" سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے اور "باطن الاثم" سے قلبی معصیت مقصود ہے مثلاً شرک و شک فی الدین وغیرہ۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

"کیا جو شخص (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں (بے تکلف) چلتا پھرتا ہے اس شخص کا سا ہو سکتا ہے جس کی یہ حالت ہے کہ (ہر طرف سے) اندھیروں

میں (بھٹکتا ہوا ہے) کہ وہاں سے کسی طرف نکل نہیں سکتا (جس طرح مومنوں کے واسطے ایمان آراستہ کیا گیا) اسی طرح کافروں کے واسطے ان کے اعمال (بد) آراستہ کر دیئے گئے ہیں"

(۱) تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں عمار بن یاسر اور ابوجہل کا ذکر ہے پس یہ آیت اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے دو شخصوں سے مخصوص تعلق رکھتی ہے لیکن اس کا مفہوم بالعموم ہر مومن و کافر پر صادق آتا ہے اور اسی طرح بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن کا نزول مخصوص مواقع اور خاص افراد کی شان میں ہوا تھا لیکن اون کے مفہوم میں اتنی وسعت موجود ہے کہ اگر حالات مناسب ہوں تو ہر زمانہ کے مواقع اور افراد اس کے مصداق بن سکتے ہیں۔

(۲) اس آیت میں بھی "موت" سے مراد کفر و جہل عن الحق ہے اور "حیات" سے مقصود ہدایت و معرفت حق ہے جیسا کہ بعض آیات میں اس سے پہلے گذر چکا ہے اور "نورا" سے مراد امام و مقتدا ہے چنانچہ اصول کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے "ونوراً یمشی بہ فی الناس اماماً یؤتم بہ" یعنی وہ امام جس کی اقتدا کی جائے۔ اس قول معصومؑ پر نظر کرنے سے آیت کا مطلب بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ مزید احتیاج تشریح باقی نہیں رہتی۔۔۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ط

"اور (جس طرح کہ مکہ میں ہے) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کو سردار بنایا تاکہ چال بازی کرتے رہیں"

اس آیت میں بھی "جعلنا" سے وہی مقصود ہے جو اس سے پہلے آیہ "کذلک جعلنا لکل نبی الآیہ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔۔

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ط اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ -

"اور یہ جب ان کے پاس کوئی نشانی (دین کی تصدیق کے لئے) آتی ہے تو کہتے ہیں جب تک ہم کو خود ویسی چیز (وحی وغیرہ) نہ دی جائے گی جو پیغمبران خدا کو دی گئی ہے اس وقت تک ہم ایمان نہ لائیں گے، اور خدا جہاں اپنی پیغمبری کو قرار دیتا ہے اسکو خوب جانتا ہے"

اس آیت کی شان نزول میں مفسرین کے دو قول ہیں بعض نے کہا ہے کہ ولید بن مغیرہ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو میں اوس کا بہ نسبت محمدؐ کے زیادہ مستحق ہوں کیونکہ میں اون سے سن میں بڑا ہوں اور مال و اولاد جو وجاہت کے اسباب ہیں زیادہ رکھتا ہوں اوس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ابوجہل بن ہشام نے کہا تھا کہ جب ہم فضل و شرف میں بنی عبد مناف کے مقابل نکلے اور وہ ہم سے بڑھ نہ سکے تو یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ان میں ایک نبیؐ مبعوث ہوا ہے جس پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ پس جب تک محمدؐ کی طرح ہم پر بھی وحی نازل نہ ہوگی کبھی ایمان نہ لائیں گے۔۔

بہر حال سبب نزول کوئی بھی ہو اتنا خود آیت ہی سے ظاہر ہے کہ اکابر کفار جب معجزات دیکھکر مبہوت و بے جواب ہو جاتے تو کمال حسد و عناد سے کہتے تھے کہ جب تک ہم کو منصب نبوت نہ ملے گا اور وحی نازل نہ ہوگی ایمان نہ لائیں گے۔ کیونکہ ہم محمدؐ کے تابع نہیں رہنا چاہتے۔ اس کا جواب خداوند عالم نے یہ دیا کہ نبوت و وحی کا استحقاق شرافت اور وجاہت ظاہری سے نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اس کا مدار خصائص نفسانیہ و فضائل روحانیہ پر ہے جس کو خدا تم سے بہتر جانتا ہے اور اس اعتبار سے جسکو اہل سمجھتا ہے یہ منصب عطا کرتا ہے لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگرچہ تمام نفوس و ارواح ماہیت کے اعتبار سے مساوی بھی ہوں لیکن خصائص کے لحاظ سے بہت بڑا فرق رکھتی ہیں۔ اور اسی سبب سے تمام انبیاؑ کے مراتب بھی یکساں نہیں ہوئے۔۔

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ط كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ٥

"تو خدا جس شخص کو راہ راست دکھانا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام (کی قبولیت) کیواسطے (صاف اور) کشادہ کر دیتا ہے اور جسکو گمراہی کی حالت میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ دشوار گذار کر دیتا ہے گویا (قبول ایمان) اس کے لئے آسمان پر چڑھنا ہے، جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا ان پر برائی کو بس اسی طرح مسلط کر دیتا ہے"

کتاب توحید وغیرہ میں یہ روایت منقول ہے:۔

عن الرضا علیہ السلام انہ سئل عن ہذہ الآیۃ فقال من یرد اللہ ان یہدیہ بایمانہ فی الدنیا والی جنتہ ودار کرامتہ فی الآخرۃ یشرح صدرہ للتسلیم للہ والثقۃ بہ والسکون الی ما وعدہ من ثوابہ حتی یطمئن الیہ ومن یرد ان یضلہ عن جنتہ ودار کرامتہ فی الآخرۃ لکفرہ وعصیانہ لہ فی الدنیا یجعل صدرہ ضیقا حرجا حتی یشک فی کفرہ ویضطرب فی اعتقاد قلبہ حتی یصیر کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل الرجس علی الذین لایؤمنون —

"امام رضاؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس کے متعلق خدا کا یہ ارادہ ہو کہ دنیا میں اسے ایمان کی جانب رہنمائی کرے اور آخرت میں اپنی جنت اور مقام عزت کی طرف رہبری کرے تو اس کے سینے کو منزل تسلیم و اعتماد و سکون بوعدہائے خداوندی بنا دیتا ہے حتی کہ وہ بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور جس کے متعلق یہ ارادہ ہو کہ وہ دنیا میں اپنے کفر و عصیان کرنے کی وجہ سے آخرت میں اس کی جنت اور مقام عزت سے بیگانہ رہے تو اس کے سینے کو بالکل تنگ بنا دیتا ہے وہ اپنے قلبی اعتقاد میں مضطرب اور اپنے کفر میں (بھی) مشکوک رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اسے آسمان پر چڑھنے کی زحمت دی جا رہی ہو۔ خدا یوں ہی برائی کو ایسے لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے"

اس کلام معصوم سے چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

اول یہ کہ ارادہ ہدایت و اضلال سے دنیا میں ایمان و کفر پر مجبور کرنا مراد نہیں ہے بلکہ مومنین کو آخرت میں جنت و دار کرامت کی طرف ہدایت کرنا اور کافرین کو اس سے دور رکھنا مقصود ہے اور یہ ہدایت و اضلال دنیا میں قبول ایمان اور کفر و معصیت کی جزا ہوگا۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن میں موجود ہیں جو ابتدائے حواشی میں نقل کر دی گئی ہیں۔

دوم یہ کہ دنیا میں مومنین کو یہ جزائے ایمان ملتی ہے کہ اون کے سینے تسلیم و رضا کے لئے کشادہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اور مواعید الٰہیہ پر اعتماد و اطمینان حاصل کرنے میں توفیق الٰہی اون کی مدد کرتی ہے۔ برخلاف اس کے کفار کو اون کے کفر و عصیان کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ سینے تنگ کر دیئے جاتے ہیں جس سے ہمیشہ تنگی میں گرفتار اور اعتقاد قلبی میں ایسے مضطرب رہتے ہیں گویا آسمان پر چڑھ رہے ہیں جو اضطراب اس حالت میں دل کو ہو سکتا ہے ویسا ہی قبول حق کی طرف سے ان کے قلوب میں پیدا ہوتا ہے۔

اس تاویل کی صحت خود آیت کے آخری جملے "کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لایؤمنون" سے بوجہ اتم ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہاں رجس سے بنا بر اقوال مفسرین عذاب یا لعنۃ مراد ہے (اور دونوں کا مآل ایک ہی ہے) اور اس کو "لایؤمنون" یعنی عدم ایمان کی جزا قرار دیا ہے اور "کذلک" فرما کر اس کو تضییق صدر سے تشبیہ دی ہے جس سے محصل کلام یہ ہوا کہ ہم ایمان قبول نہ کرنے والوں پر آخرت میں عذاب اسی طرح کریں گے جس طرح

دنیا میں اون کے سینوں کو تنگ کر دیا ہے پس ظاہر ہوا کہ عذاب آخرت کی طرح تضییق صدر بھی اختیار کفر و ایمان قبول نہ کرنے کی جزا قرار دی گئی ہے اور یہ دنیاوی جزا ہے اگر اس مطلب کی صحت تسلیم نہ کی جائے تو یہ کلام الٰہی کہ "ہم ایمان نہ لانے والوں کے سینے تنگ کر دیتے ہیں" صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کہنا درست ہوتا کہ ہم "جن لوگوں کے سینے تنگ کر دیتے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے"۔ نیز تضییق صدر کی عذاب آخرت سے تشبیہ درست نہیں ہو سکتی کیونکہ اس صورت میں مشبہ عدم ایمان کی جزا ہوگا۔ اور مشبہ بہ اس کی علت۔ پھر ان دونوں میں وجہ مشابہت کیا ہوگی؟

امام فخر الدین رازی نے مذہب اشاعرہ کی نصرت میں آخر آیت "کذلک یجعل اللہ الرجس الخ" کی تاویل یوں کی ہے کہ "کذلک یجعل اللہ الرجس علی قلوب الذین قضی علیہم بانہم لایؤمنون" یعنی اسی طرح رجس ان لوگوں کے دلوں پر ڈالتے ہیں جن کی بابت ہم نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں۔" ہم اس تاویل کی بابت کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اہل عقل خود سمجھ سکتے ہیں کہ آیت سے زبردستی اپنا مدعا ثابت کر دیا گیا ہے پہلے بغیر کسی قرینہ و داعی کے رجس کو "قلوب" سے متعلق بتایا۔ اور پھر خواہ مخواہ ایک جملہ طویل کا اضافہ کیا جس کے تحمل سے آیت کو صریح انکار ہے اگر ایسے طویل و عریض تصرفات کی گنجائش کسی کلام میں ہوا کرتی ہو تو دنیا کے کسی کلام کی بابت یہ اطمینان نہیں ہو سکتا۔ کہ جو مطلب اس کے موجودہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے وہی مقصود متکلم ہوگا۔ آخر عدم ایمان کا سبب بننے کے لئے تضییق صدر کے بعد کسی اور شئے کی بھی حاجت باقی رہ جاتی ہے جس کو رجس سے تعبیر کیا جائے۔ پھر وہ کیا شئے ہے؟ اور کیا اس سے بھی زیادہ کوئی ظلم شدید ہو سکتا ہے کہ خدا نے پہلے ایک بے قصور کو ناحق بے ایمان بنانے کا فیصلہ کیا پھر اس کے لئے اتنا اہتمام عظیم کیا کہ سینہ تنگ کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دل پر رجس کا انبار بھی لاد دیا۔ اور پھر آخرت میں عذاب اشد کے لئے بھی آمادہ ہے؟

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ج يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ج وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۝

"اور (اے رسولؐ وہ دن یاد دلاؤ) جس دن خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا (اور شیاطین سے فرمائے گا) اے گروہ جنات تم نے تو بہتیرے آدمیوں کو (بہکا بہکا کر) اپنی جماعت بڑی کر لی۔ اور آدمیوں سے جو لوگ (ان شیاطین کے دنیا میں) دوست تھے کہیں گے اے ہمارے پالنے والے (دنیا میں) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور (اب تک کی سزا پانے کو) جو وقت تو نے ہمارے لئے معین کیا تھا اب ہم اپنے اس وقت (قیامت) میں پہنچ گئے۔"

maablib.org

یہ آیت صریح طور سے بتا رہی ہے کہ اضلال شیاطین کا کام ہے نہ کہ خداوند عالم کا۔ اگر ایسا نہ ہو تو شیاطین کی ملامت و توبیخ بالکل بے محل ہوگی اپنے فعل کو دوسروں کی طرف منسوب کرکے درپے ملامت و سرزنش ہونا کونسا انصاف ہے۔ نیز اس صورت میں اولیائے شیاطین کبھی یہ نہ کہتے کہ "استمتع بعضنا ببعض الخ" بلکہ اس کا جواب یہی دیتے کہ پروردگار تو نے ہی تو ہمکو بہکا کر شیاطین کا ولی بنا دیا تھا پھر یہ عتاب کیوں ہے؟ ممکن ہے کہ جواب مذکور میں بھی ان کو مجبور تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ اپنی برائت ظاہر کرنے کے لئے خداوند عالم یہ کلام ان کی زبانوں پر مجبوراً خلق کر دے گا، ان ہذا الظلم عظیم۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝

اور یہ (پیغمبروں کا بھیجنا صرف) اس وجہ سے ہے کہ تمہارا پروردگار کبھی بستیوں کو ظلم (زبردستی) سے وہاں کے باشندوں کی غفلت کی حالت میں ہلاک نہیں کیا کرتا۔"

یہ آیت عدل الٰہی کی دلیل بیّن ہے۔ اس کو پیش نظر رکھکر ان تمام متشابہ آیات کے معانی حقیقیہ کی طرف ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے جن کے ظاہری معنوں سے مسئلہ جبر میں تمسک کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ بندوں کو ان افعال پر معذب کیا جائے جو ان کے اختیار سے صادر نہیں ہوئے بلکہ درحقیقت وہ خدا ہی کے افعال ہوں۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعثت انبیاء و رسل عقلاً واجب تھی تاکہ بندوں پر حجت تمام ہو جائے اور ان کو اس عذر کا موقع باقی نہ رہے کہ ہم خیر و شر سے واقف نہیں تھے، اگر بغیر بعثت انبیاء و توضیح احکام بندوں پر عذاب نازل کیا جاتا تو حقیقی معنوں میں ظلم و جور لازم آتا جس سے کوئی صحیح العقل انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا اشاعرہ کا یہ قول قابل قبول ہرگز نہیں کہ لفظ "ظلم" یہاں محض تشبیہ و مجاز کے طور پر وارد کی گئی ہے ورنہ حقیقۃً ایسا کرنے میں ظلم لازم نہیں آتا۔ کیونکہ خدا جس طرح چاہے اپنے بندوں میں تصرف کرے وہ ظلم نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ رائے صحیح تسلیم کر لیجائے تو ظلم کی لفظ معنی حقیقی سے بالکل خالی نظر آنے لگی۔ اور کوئی اس کا واقعی مصداق فرض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خدا کے کسی فعل کو خواہ وہ کیسا ہی ہو ظلم کا مصداق نہیں ٹھہرا سکتے اور بندوں کا کوئی فعل ان کے اختیار سے صادر نہیں ہوتا۔ جو درحقیقت ان کا فعل قرار پائے اور ظلم کا مصداق ٹھہرے لہذا یہ ایسی لفظ ہوگی جس کے معنی محض ظرف خیال و تصور تک محدود ہونگے سارا عالم واقع اس کے مصداق سے خالی ہوگا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى

اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

اور یہ لوگ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں سے حصہ قرار دیتے ہیں اور اپنے خیال کے موافق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا (حصہ) ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا (یعنی جن کو ہم نے خدا کا شریک بنایا) پھر جو خاص ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہونچنے کا اور جو حصہ خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہونچ جاتا ہے یہ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔"

عرب کے مشرکین اپنے کھیتوں اور جانوروں میں سے کچھ حصہ خیرات کے واسطے نکالتے تھے مگر کھیتوں میں خط کھینچکر ایک حصہ خدا کا اور ایک بتوں کا قرار دیتے تھے۔ اور اسی طرح جانوروں میں علٰحدہ علٰحدہ حصے معین کر دیتے تھے، لیکن اگر کبھی یہ دیکھتے کہ خدا کے حصے کا کھیت یا جانور بہتر ہے تو اس کو بتوں کی طرف کر دیتے اور اگر بتوں کا حصہ بہتر ہوتا تو اس کو خدا کی طرف نہیں لاتے تھے، اسی طرح اگر اتفاقاً بتوں کے حصے کی کوئی چیز خدا کے حصے میں جا پڑتی تو اس کو الگ کر لیتے اور اس کے برعکس خدا کے حصہ کی چیز بتوں کے حصہ میں مل جاتی تو علٰحدہ نہیں کرتے تھے، اور اس کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ خدا غنی ہے اور اصنام حاجتمند ہیں۔ ان ہی باتوں کی طرف اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۝

"اور اسی طرح بہتیرے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے اپنے بچوں کے مار ڈالنے کو اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انھیں (ابدی) ہلاکت میں ڈالدیں اور ان کے سچے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں۔"

ایام جاہلیت میں لڑکیوں کو مار ڈالنے کی رسم قبیح رائج تھی اور شرافت کا ثبوت خیال کیا جاتی تھی۔ اس آیت میں اسی رسم قبیح پر ملامت کی گئی ہے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ ۝

"اور یہ لوگ اپنے خیال کے موافق کہنے لگے کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی اچھوتی ہے انکو سوا اسکے جسے ہم چاہیں کوئی نہیں کھا سکتا۔"

اس آیت نیز اس کے بعد کی آیتوں میں وہ رسوم و احکام مذکور ہیں جو کفار نے اپنی نذر و نیاز کی بابت جاری کر رکھے تھے۔ اور اس تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو ان باطل رسوم و احکام سے نفرت دلائی جائے اور ان تخیلات و توہمات کی قباحت واضح کر دی جائے جن پر ان رسوم کی بنا قائم کی گئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ

"اور وہ تو وہی خدا ہے جس نے بہتیرے باغ پیدا کئے۔ (جن میں مختلف اقسام کے درخت ہیں کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں) چڑھائے ہوئے اور (کچھ) بے چڑھائے ہوئے اور درخت اور کھیتی جن کے پھل (مزے میں) مختلف قسموں کے ہیں"

پروردگار عالم نے پہلے کفار مشرکین کے افعال کی حکایت کی کہ وہ بعض اشیاء کو بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے تھے نیز اپنے اوہام باطلہ کی بنا پر چیزوں کو حلال و حرام قرار دیتے تھے۔ لہذا اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا کہ تمام اشیاء خداوند عالم کی خلق کی ہوئی ہیں۔ پھر کسی چیز کو بتوں کے لئے مخصوص کرنے یا اپنی مرضی سے حرام و حلال قرار دینے کا حق بندوں کو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

"اور ان چیزوں کے کاٹنے کے دن خدا کا حق ہے (زکوٰۃ) دیدو اور خبردار فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ وہ (خدا) فضول خرچوں سے ہرگز الفت نہیں رکھتا"

اس سے مراد مستحبی زکوٰۃ و خیرات ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم کھیتی کاٹنے کے دن غرباء و مساکین کو بھی حسب استطاعت (دس دن) کچھ دیدو۔ "ولا تسرفوا" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اس خیرات دینے میں اعتدال پیش نظر رہے ایسا نہ ہو کہ سب کچھ دیکر اپنے اور عیال کو مشقت میں ڈالدو۔

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۝

"(خدا نے نر و مادہ ملاکر) آٹھ (قسم کے) جوڑے پیدا کئے ہیں بھیڑ سے (نر و مادہ) دو۔ اور بکری سے (نر و مادہ) دو"

"ازواج" آٹھ اس لئے بتایا ہے کہ ہر ایک فرد اصناف مذکورہ کی دوسری صنف کی زوج ہے مذکر کا زوج مونث ہے اور مونث زوج مذکر۔

قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

"(اے رسول!) ان کافروں سے پوچھو تو کہ خدا نے ان دونوں (بھیڑ بکری کے) دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے۔ یا دونوں مادینوں کو یا اس بچہ کو جو ان دونوں مادینوں کے پیٹ کے اندر ہے؟ اگر تم سچے ہو تو ذرا مجھکو سمجھے بتاؤ"

اس آیت سے کفار مشرکین پر جو احتجاج کیا گیا ہے اس کی تقریر صاحب تفسیر مجمع البیان نے یوں کی ہے۔

انما ذکر اللہ سبحانہ ھذا علی وجہ الاحتجاج علیھم بیّن بہ فریتھم وکذبھم علی اللہ فیما ادعوا من ان ما فی بطون الانعام حلال للذکور وحرام علی الاناث وغیر ذلک مما حرموا فانھم لو قالوا احرم الذکرین لزمھم ان یکون کل ذکر حراما ولو قالوا حرم الانثیین لزمھم ان یکون کل انثی حراما ولو قالوا حرم ما اشتمل علیہ رحم الانثی من الضان والمعز لزمھم تحریم الذکور والاناث فان ارحام الاناث تشتمل علی الذکور والاناث ولم یکونوا یفعلون ذلک بل کانوا یخصون بالتحریم بعضا دون بعض فقد لزمھم الحجۃ۔

"اسے خدا نے مشرکین پر حجت قائم کرنے کے لئے ذکر کیا ہے اور ان کے اس کذب و افترا کو ظاہر کیا ہے جس کے وہ مدعی تھے کہ جو چوپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہوتے ہیں وہ صنف ذکور کے لئے حلال اور صنف اناث پر حرام ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اگر وہ اس کے قائل ہوں کہ خدا نے دونوں صنف کے نر حرام کئے ہیں تو تمام نروں کو حرام ہونا چاہیئے۔ اگر وہ کہیں کہ دونوں صنف کی مادہ حرام ہیں....... تو تمام مادینوں کو حرام ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ کہیں کہ مادینوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ حرام ہیں تو تمام نر و مادہ کو حرام ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ مادہ کے پیٹ میں نر بھی ہوتے ہیں اور مادہ بھی لہذا اس قسم کے سب حرام ہونگے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے نر ہوں یا مادہ، حالانکہ وہ لوگ عملاً ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ بعض کو حرام کہتے تھے اور بعض کو حلال۔ لہذا ان پر اس آیت سے حجت تمام ہو جاتی ہے"

امام فخر الدین رازی نے اس تقریر کی بابت فرمایا ہے:۔

ھذا ما اطبق علیہ المفسرون فی تفسیر ھذہ الآیۃ وھو عندی بعید جدا لان لقائل ان یقول ھب ان ھذہ الانواع الاربعۃ اعنی الضان والمعز والابل والبقر محصورۃ فی الذکور والاناث الا انہ لا یجب ان تکون

"اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ بالا تقریر تمام مفسرین نے کی ہے مگر میرے نزدیک درست نہیں ہے اس لئے کہ کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ فرض کیجئے کہ یہ چاروں صنفیں یعنی بھیڑ، بکری، اونٹ، اور گائے صرف نر و مادہ میں منحصر نہیں ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ

علة تحريم ما حكموا بتحريمه محصورة في الذكورة والانوثة بل علة تحريمها كونها بحيرة او سائبة او وصيلة او حاما او سائر الاعتبارات۔

جن چیزوں کے حرام ہونے کو انھوں نے کہا ہے ان کی علت نر و مادہ ہونے میں منحصر ہو۔ بلکہ ان کے حرام ہونے کی علت ان کا بحیرہ (کن کٹی اونٹنی) یا سائبہ (سانڈ) یا وصیلہ (جڑواں بچے) یا حام (بوڑھا سانڈ) ہونا ہو یا دوسرے اور اعتبارات علت ہوں۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:-

والاقرب عندی فیه وجهان (احدهما) ان یقال ان هذا الکلام ما ورد علی سبیل الاستدلال علی بطلان قولهم بل هو استفهام علی سبیل الانکار یعنی انکم لما تقروا بنبوة نبی ولا تعرفون شریعة شارع فکیف تحکمون بان هذا یحل وان ذلك یحرم۔ و ثانیهما ان حکمهم بالبحیرة والسائبة والوصیلة والحام مخصوص بالابل فالله تعالی بین ان النعم عبارة عن هذه الانواع الاربعة فلما لم تحکموا بهذه الاحکام فی الاقسام الثلاثة وهی الضأن والمعز والبقر فکیف خصصتم الابل بهذا الحکم علی التعیین فهذا ما عندی فی هذه الآیة والله اعلم۔

"میرے نزدیک اس بارے میں دو وجہیں درست ہیں۔ اول یہ کلام خداوندی مشرکین کی رد میں بطور استدلال نہیں وارد ہوا ہے بلکہ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی تم لوگ جب کسی نبی کی نبوت کے مقر نہیں اور کسی شارع کی شریعت سے آگاہ نہیں تو تم یہ حکم کس طرح لگاتے ہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے۔ دوم وہ لوگ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کا جو حکم لگاتے تھے وہ صرف اونٹ کی صنف میں تو خدا نے فرمایا کہ چوپایوں کی تو چار قسمیں ہیں تو تم باقی تین قسموں میں یہی احکام کیوں نہیں جاری کرتے ہو؟ اور اونٹ ہی کو تم نے معین طور پر کیوں مخصوص کر رکھا ہے؟ اس آیت کے ذیل میں میری تحقیق یہی ہے اور خدا بہتر جانتا ہے۔"

اگر غور سے دیکھا جائے تو فخر الدین رازی نے جو اعتراض مفسرین پر وارد کیا ہے اوس کا جواب خود ان کی بیان کی ہوئی وجہ آخر سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اوس سے اتنا ظاہر ہوا کہ مشرکین انواع اربعہ میں سے صرف ایک صنف پر بحیرۃ و سائبہ و وصیلۃ و حام ہونے کا حکم کرتے تھے، حالانکہ حکم تحریم میں اس صنف کی تخصیص نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ حکم ان کے نزدیک تمام انواع میں جاری تھا پس اگر اوصاف مذکورہ ہی کو علت حرمت قرار دیتے تو حکم کو عام نہ کرتے، اس تعمیم حکم حرمت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف علت حرمت اوصاف مذکورہ نہیں بلکہ ذکورۃ و انوثۃ بھی تھی، یہ اور بات ہے کہ ایک صنف مخصوص میں انھوں نے اوصاف مذکورہ کو وجوہ حرمت میں داخل کر لیا تھا، رہے اور جملہ اعتبارات جن کو "و سائر الاعتبارات" فرما کر مجمل رکھا ہے اُن کی بابت یہ بھی ثابت کرنا چاہیے کہ مشرکین اُن کو علت حرمت قرار دیتے تھے، یہاں بحث اسکی ہے کہ ان مشرکین کے معتقدات کیا تھے اور احتجاج قرآنی اون پر تمام ہوا یا نہیں۔ لہذا اس مقام میں محض

یہ فرض کہ دیگر اعتبارات بھی علت حرمت بن سکتے ہیں، کام نہیں دے سکتا۔ بلکہ یہ ثابت کرنا بھی لازم ہے کہ وہ لوگ اُن اعتبارات کو علت حرمت سمجھتے بھی تھے۔

رہی وہ پہلی وجہ جس کا اس مفسر نے افادہ فرمایا ہے اس کی صحت میں شبہ نہیں، کیونکہ خداوند عالم نے نبئونی بعلم فرما کر یہی تعریض کی ہے کہ تم جو اشیاء کو حلال و حرام قرار دیتے ہو تو آخر اس حرمت و علت کا علم تم کو کیونکر ہوا۔ درآنحالیکہ اس کا اقرار بھی ہے کہ تمہیں نہ کوئی نبی مبعوث ہوا اور نہ کوئی شریعت آئی۔ لیکن یہ وجہ مفسرین کے بیان کئے ہوئے مطالب سے کوئی مخالفت نہیں رکھتی بلکہ درحقیقت دونوں صحیح ہیں یعنی اس نے پہلے تو مشرکین پر یہ تعریض کی ہے کہ تمہیں حلت و حرمت کا علم کیونکر ہوا جو کسی شئے کو حلال اور دوسری کو حرام بتلاتے ہو اور پھر ان کے احکام علت و حرمت کو محض تخیل فاسد و وہم باطل کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے وہ حجت بیان فرمائی جس کی تقریر مفسرین نے واضح طور سے کی ہے اور ہم نے یہاں تفسیر مجمع البیان سے نقل کی ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"(اے رسولؐ) تم کہو کہ میں تو جو (قرآن) میرے پاس وحی کے طور پر آیا ہے اس میں کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو اس کو کھائے حرام نہیں پاتا مگر جبکہ وہ مردہ یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو تو بے شک یہ (چیزیں) ناپاک (اور حرام) ہیں یا وہ (جانور) نافرمانی کا باعث ہو کہ (وقت ذبح) خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا گیا ہو پھر جو شخص (ہر طرح) بے بس ہو جاوے (اور) نافرمان و سرکش نہ ہو (اور اس حالت میں کھائے) تو البتہ تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت نیز بعض دیگر آیات میں فقط چار حرام چیزوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اون کی حرمت نہایت شدید و غلیظ تھی اور جن کفار عرب کے مقابلہ میں حلت و حرمت اشیاء کی بحث ہو رہی تھی وہ ان محرمات کو حلال سمجھتے تھے لہذا ضرورت ہوئی کہ ان چیزوں کی حرمت مکرر تاکید کے ساتھ واضح کر دی جائے باقی دیگر محرمات کو رفتہ رفتہ یا تو نص قرآنی

ظاہر کیا گیا یا وحی غیر قرآنی کے ذریعہ رسولؐ کو بتایا اور آپ نے امت پر واضح کر دیا۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

"اور ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دیئے تھے، اور گائے اور بکری دونوں کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھی۔ مگر جو چربی ان دونوں کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہو یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو (وہ حلال تھی) یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی، اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ ہم ضرور سچے ہیں۔"

اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ بعض وہ ماکولات جو اہل اسلام پر حلال کی گئی ہیں وہ عہد جناب موسیٰؑ میں بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھیں۔ اور یہ ان کے عصیان اور طغیان کی سزا تھی۔ اسی مطلب کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ "فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم" یعنی یہودیوں کی ظالمانہ روش کی بنا پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں ہم نے ان پر حرام کر دیں۔"

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝

"عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم لوگ شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز (اپنے اوپر) حرام کرتے اسی طرح (باتیں بنا بنا کر) جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہمارے عذاب (کے مزے) کو چکھا (اے رسولؐ) تم کہو کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے (اگر ہے) تو ہمارے (دکھانے کے) واسطے اس کو نکالو (دلیل کو کیا پیش کرو گے) تم لوگ تو صرف

اپنے خیال خام کی پیروی کرتے ہو اور صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔"

خداوند عالم نے پہلے کفار مشرکین کے احکام باطلہ و آراء فاسدہ کو بیان فرمایا اور زجر و توبیخ فرمائی اوس کے بعد اون کے اس عذر کی حکایت شروع کی جس سے وہ حقیقی دین الٰہی کے قبول نہ کرنے میں تمسک کرتے تھے اور وہ یہ کہ ہم تو جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا ہی کی مشیت و اختیار سے کرتے ہیں۔ لہذا ہم میں اوس کے ترک کرنے کی قدرت کہاں ہے جو اس کی تکلیف دی جاتی ہے۔ خدا کی مشیت کے خلاف کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے اگر وہ چاہتا تو ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے شرک و تحریم اشیاء کچھ بھی وقوع میں نہ آتا۔ خداوند عالم نے اس عذر کو کئی طریقوں سے قبیح و مذموم ٹھہرایا اور بے اصل و باطل ثابت کیا۔

اول یہ کہ اس عقیدہ کو استحقاق عذاب کا موجب قرار دیا اور فرمایا کہ امم سابقہ کے لوگ بھی اپنے انبیاءؑ کی تکذیب اسی قول سے کیا کرتے تھے اور جب تک عذاب الٰہی کا ذائقہ نہ چکھ لیا باز نہ آئے۔ پس یہ لوگ بھی جب تک معذب نہ کئے جائیں گے یہ عقیدہ ترک نہ کریں گے۔

دوم۔ اس عقیدہ کو بے اصل ثابت کرنے کے لئے رسولؐ کو حکم دیا کہ اون کفار سے اس کی دلیل طلب کریں۔ کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے اختیار سے نہیں کرتے بلکہ مشیت الٰہی ان کو مجبور کئے ہوئے ہے۔

سوم۔ اس عقیدہ کو محض ظن و تخمین قرار دیا اور صریح الفاظ میں توبیخ و ملامت کی۔

پس معلوم ہوا کہ یہ آیت ابطال عقیدہ جبر پر نص صریح ہے جس پر نظر کرنے کے بعد کسی مرد مسلم کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ اپنے تمام افعال کی علت مشیت الٰہی کو قرار دے اور اپنے نفس کو محض بے اختیار سمجھے

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

"(اے رسولؐ) تم کہو کہ (اب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں) خدا تک پہنچانے والی دلیل خدا ہی کیلئے خاص ہے پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کی ہدایت کرتا۔"

(۱) اصول کافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے:۔
ان للّٰہ علی الناس حجتین حجۃ ظاھرۃ وحجۃ باطنۃ فاما الظاھرۃ فالرسل والانبیاء والائمۃ واما الباطنۃ فالعقول۔ " خدا کی لوگوں پر دو حجتیں ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری حجت تو انبیاء و رسل و ائمہ ہیں اور باطنی حجت عقل ہے۔"

(۲) یہ آیت آیہ سابقہ کا تتمہ ہے اور محصل اوس کا یہ ہے کہ اے رسولؐ ان لوگوں سے کہو کہ خدا کی حجت بالغہ تم پر تمام ہو چکی ہے جس سے تمہارے دعوائے بے اختیاری صحیح نہیں رہ سکتا۔ اس نے تمہیں کامل عقلیں عطا کیں اور اعضاء و جوارح میں قوت مرحمت فرمائی عمل خیر و ترک شر پر قدرت دی اور تمام اعذار و موانع کو دفع کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہدایت کے لئے رسل و انبیاء بھی بھیجے پس تمہارا یہ دعویٰ کہ ایمان و اطاعت سے عاجز و مجبور ہو کس طرح درست ہو سکتا ہے اور اگر تم چاہتے ہو تو عمل خیر و ترک شر سب کچھ کر سکتے تھے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِا
لْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝
وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ
كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝
وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

"(اے رسول) تم ان سے کہو کہ آؤ جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کی ہیں وہ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں (وہ) یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالنا (کیونکہ) ان کو اور (خود) تمکو رزق دینے والے تو ہم ہیں اور بدکاریوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور کسی جان والے کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کیا ہے نہ مار ڈالنا مگر (کسی) حق کے عوض میں یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ لیکن اس طریقہ پر کہ (اس کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی حد کو پہونچ جائے اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پوری کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اسکی طاقت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتے اور (چاہے کچھ ہو مگر) جب بات کہو تو انصاف سے اگرچہ وہ

(جسکے تم خلاف کہو) تمہارا عزیز ہی (کیوں نہ) ہو اور خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو، یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔ اور یہ بھی سمجھ لو) کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے (بھٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔"

کسی دین کی حقیقت اور افضلیت کے جانچنے کا معیار صرف یہی ہے کہ وہ حقیقی توحید کی طرف دعوت دیتا ہو اور تہذیب اخلاق و اصلاح معاشرت کے بہترین اصول تعلیم کرتا ہو۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس معیار پر دین اسلام جتنا کامل ظاہر ہوتا ہے کوئی دین ادیان عالم میں سے اوس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کی بے شمار آیات سے مل سکتا ہے۔ منجملہ اون کے چند آیتیں یہ بھی ہیں جو صراط مستقیم کی طرف قدم بڑھانے والے کے لئے شمع ہدایت بن سکتی ہیں اور دین اسلام کی حقیقت و افضلیت کو روشن کر دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتیں، بشرطیکہ چشم بصیرت تقلید و تعصب سے آفت رسیدہ نہ ہو گئی ہو۔

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ
آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝

"جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اپنے مومن ہونے کی حالت میں کوئی نیک کام نہیں کیا ہوگا تو اب اس کا ایمان لانا اس کو کبھی مفید نہ ہوگا۔ اے رسول تم (ان سے) کہدو کہ (اچھا یہی سہی) تم (ابھی) انتظار کرو ہم بھی یقیناً انتظار کرتے ہیں۔"

"بعض آیات" سے مراد علامات قیامت ہیں۔ مثلاً آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا۔ دجال کا خروج وغیرہ۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا
يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

"(اس کی رحمت تو دیکھو) جو شخص نیکی کرے گا تو اس کو اس کا دس گنا ثواب عطا ہوگا۔ اور جو شخص بدی کریگا تو اس کی سزا اس کو بس اتنی ہی دیجائے گی، اور وہ لوگ (کسی طرح) ستائے نہ جائیں گے۔"

maablib.org

تفسیر مجمع البیان میں صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے :-

لما نزلت ھذہ الآیۃ من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا قال رسول اللہ صلعم رب زدنی فانزل اللہ سبحانہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا۔

"جب آیۂ من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا" نازل ہوا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا میرے مالک میرے لئے اضافہ کر تو خدا نے کریم نے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا نازل فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

"اور وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے تمہیں زمین میں (اپنا) نائب بنایا اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کئے تاکہ جو (نعمت) تمہیں دی ہے اسی میں تمہارا امتحان کرے اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارا پروردگار بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے"

"خلائف فی الارض" بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمکو روئے زمین کی مخلوقات پر قدرت تصرف عطا کی جسطرح چاہتے ہو ان کو کام میں لاتے ہو۔ اور وہ تمہارے تابع و خدمت گذار بنجاتی ہیں۔ اسی مطلب کو اس آیت میں واضح طور سے بیان کیا ہے "ولقد مکنّاکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش" یعنی ہم نے تمہیں زمین پر اقتدار عطا کیا اور اس میں تمہارے لئے امور معاشر کو قرار دیا"۔

سورۂ اعراف

اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے چونکہ اس کا ذکر اس سورہ میں کیا گیا ہے، اس لئے نام بھی سورۂ اعراف رکھا گیا۔

الٓمٓصٓ ۝ كِتَٰبٌ أُنزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِۦ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

"المٓصٓ (اے رسولؐ) یہ کتاب خدا (قرآن) تم پر نازل کی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو عذاب خدا سے) ڈراؤ

اور ایمانداروں کے لئے نصیحت کا باعث ہو پس تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ پیدا ہو"

آنحضرتؐ کفار کے ایمان نہ لانے اور ہدایت قبول نہ کرنے سے نہایت تنگدل رہا کرتے تھے۔ خداوند عالم نے بغرض تسکین قلب رسولؐ اس آیت اور دیگر آیات میں بھی ان سے فرمایا کہ تم تنگدل نہ ہو۔ اگر کفار تمہاری باتیں نہیں مانتے نہ سہی۔ تمہارا کام فقط تبلیغ احکام ہے اور بس۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

"اور اس دن (اعمال کا) تولا جانا بالکل ٹھیک ہے جن کے (نیک اعمال کے) پلے بھاری ہوں گے۔ وہی لوگ فائز المرام ہوں گے"

احتجاج طبرسی میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے :-

انہ سئل اولیس توزن الاعمال قال لا ان الاعمال لیست اجساما وانما ھی صفۃ ما عملوا وانما یحتاج الی وزن الشئی من جھل عدد الاشیاء ولا یعرف ثقلھا وخفتھا وان اللہ لا یخفی علیہ شئی قیل فما معنی المیزان قال العدل قیل فما معناہ فی کتابہ فمن ثقلت موازینہ قال فمن رجح عملہ۔

"حضرت (صادقؑ) سے سوال کیا گیا کہ کیا اعمال وزن نہیں کئے جائیں گے؟ تو آپؑ نے فرمایا "نہیں کیونکہ اعمال اجسام نہیں ہیں بلکہ صرف صفت کردار ہیں۔ اور کسی چیز کے تولنے کی اس کو ضرورت ہے جو اشیاء کی تعداد نہیں جانتا اور ان کے ہلکے اور بھاری پن کو نہیں پہچانتا۔ اور اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ عرض کیا گیا کہ میزان کے کیا معنی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ عدل۔ عرض کیا گیا کہ اسکی کتاب (قرآن) میں "فمن ثقلت موازینہ" کے کیا معنی ہیں آپؑ نے فرمایا۔ جس کا عمل رجحان رکھتا ہوگا (یا قابل ترجیح ہوگا"

صاحب تفسیر صافی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں (صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ ایران)

اقول وسر ذلک ان میزان کل شئی ھو المعیار الذی یعرف بہ قدرہ ذلک التی فمیزان الناس یوم القیامۃ ما یوزن بہ قدر کل انسان وقیمتہ علی حسب عقیدتہ وخلقہ وعملہ لتجزی کل نفس بما کسبت ولیس ذلک الا الانبیاء والاوصیاء اذ بھم وباتباع شرائعھم واقتفاء آثارھم وترک ذلک وبالقرب من سیرتھم والبعد عنھا

"میں کہتا ہوں کہ اس کا راز یہ ہے کہ ہر شے کی میزان وہ معیار ہے جس کے ذریعہ سے اس شئے کی قدر و منزلت پہچانی جاسکے پس روز قیامت لوگوں کی میزان وہ ہوگی جس کے ذریعہ سے ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عقیدہ اور اخلاق اور عمل کے مطابق وزن کیا جائے گی تاکہ ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور یہ (میزان) سوائے انبیاءؑ اور

يعرف مقدار الناس وقدر حسناتهم وسيئاتهم فميزان كل امة هو نبي تلك الامة ووصي نبيها والشريعة التي اتى بها فمن ثقلت حسناته وكثرت فاولئك هم المفلحون ومن خفت وقلت فاولئك الذين خسروا انفسهم بظلمهم عليها من جهة تكذيبهم للانبياء والاوصياء وعدم اتباعهم في الكافي والمعاني عن الصادق انه سئل عن قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيامة قال هم الانبياء والاوصياء۔

ائمہ کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اُن سے اور ان کی شریعتوں کی اتباع سے اور ان کے نشان قدم پر چلنے سے اور ان کی پیروی کے ترک کرنے سے اور ان کی سیرتوں سے نزدیکی اور دوری ہی کے ذریعہ سے انسانوں کی قدریں اور ان کی نیکی بدی پہچانی جاتی ہیں اور ہر امت کی میزان اس امت کا نبی اور اس کے نبی کا وصی ہے اور خود شریعت جس کو وہ لایا ہے۔ پس جس کے حسنات وزنی اور کثیر ہونگے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جس کے حسنات سبک اور قلیل ہوں گے پس یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے انبیائ و اوصیا کی تکذیب اور عدم اتباع کے ذریعہ اپنے نفسوں پر ظلم کر کے اپنا نقصان کیا۔ کافی اور معانی الاخبار میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے قول خدا ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ انبیاء و اوصیاء ہیں۔"

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

"شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے میری راہ ماری تو میں بھی تیری سیدھی راہ پر بنی آدم کے (گمراہ کرنے کے لیئے) تاک میں ضرور بیٹھوں گا۔

"اغوا" سے مراد تکلیف سجود دینا ہے جس سے ابلیس غوایت میں پڑ گیا۔ اسی تکلیف کے وقت وہ بتلائے غوایت ہوا تھا اس لئے اوس نے "اغوا" کو خدا کی طرف نسبت دی۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ مسئلہ جبر کا معتقد ہو کر فی الحقیقت اغوا کو ذات الٰہی کی طرف منسوب کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ خدا ہی نے اس کو گمراہ کر دیا ہے تو یہ عقیدہ اور قول ابلیس کا ہے جو حجت نہیں ہو سکتا۔ کہ اوس سے مسئلہ جبر کی حقیقت ثابت کی جا سکے درآنحالیکہ اوس نے فقط "اپنے نفس کے اغوا کو خدا کا فعل ٹھہرایا ہے باقی تمام بندوں کا گمراہ کن خود اپنی ذات کو قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ ابلیس کے علاوہ تمام بے قصور بندوں کی گمراہی کی علت خدا ئے علام کے اختیار و ارادہ کو قرار دیتے ہیں وہ عقیدہ جبر میں ابلیس سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝

"پھر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے سے اور ان کے بائیں سے (غرض چاروں طرف سے) ان پر آپڑوں گا (اور ان کو بہکاؤں گا) اور تو ان میں سے بہتیروں کو شکر گذار نہیں پائے گا۔"

اس کلام کے متعلق جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:۔

ثم لآتينهم من بين ايديهم - معناه اهون عليهم امر الآخرة ومن خلفهم - امرهم بجميع الاموال والبخل بها عن الحقوق لتبقى لورثتهم وعن ايمانهم - افسد عليهم امر دينهم بتزيين الضلالة وتحسين الشبهة وعن شمائلهم بتحبيب اللذات اليهم وتغليب الشهوات على قلوبهم۔

"ثم لآتينهم من بين ايديهم کے معنی ہیں کہ میں معاملہ آخرت ان کی نظر میں سبک کر دوں گا۔ ومن خلفهم کے معنی ہیں کہ میں ان کو اموال جمع کرنے اور وارثوں کے لئے باقی رکھنے کی غرض سے ادائے حقوق میں بخل کرنے کا حکم دوں گا۔ وعن ایمانھم کے معنی ہیں کہ میں ان کے معاملہ دین کو گمراہی کو مزین کر کے اور شبہہ کو خوشنما بنا کے فاسد کروں گا وعن شمائلہم کے معنی ہیں کہ میں ان کے معاملہ دین کو لذات کو محبوب بنا کے اور شہوات کو ان کے دلوں پر غالب کر کے فاسد کروں گا۔"

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

"حکم ہوا تم (میاں بی بی اور شیطان) سب کے سب بہشت سے نیچے اترو۔ تم میں سے ایک کا ایک دشمن ہے اور تمہارے لئے ایک (خاص) وقت تک زمین میں ٹھہراؤ (ٹھکانا) اور زندگی کا سامان ہے۔"

(۱) اکثر مفسرین نے اهبطوا کا مخاطب جناب آدم و حوا اور ابلیس کو بتایا ہے اور بعض کا قول ہے کہ صرف جناب آدم و حوا مخاطب ہیں۔ حکم ہبوط کے ساتھ پروردگار عالم نے ان کو خبر دی تھی کہ ان کی اولاد میں باہم عداوت ہوگی۔ اور چونکہ دو شخصوں پر جمع کا اطلاق عرب کے عرف عام میں رائج تھا۔ لہذا جناب آدم و حوا سے بصیغہ جمع "اهبطوا" خطاب کرنا مستبعد نہیں۔ ان دونوں میں سے قول آخر سیاق و سباق کے اعتبار سے بہتر ہے اسکو اہل فہم خود سمجھ سکتے ہیں تفصیل کی حاجت نہیں۔ (۲) امر کا تعلق محض ہبوط سے ہے اور جملہ "بعضکم لبعض عدو" بیان ہے۔ کہ جس سے بنی آدم کی باہمی عداوت کی حالت ظاہر کی گئی ہے جو خود انھیں لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہوگی۔ حکم الٰہی سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ داداؤں کو پایا اور خدا نے (بھی) یہی حکم دیا ہے (اے رسولؐ) تم (صاف) کہدو کہ خدا ہرگز برے کام کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم لوگ خدا پر (افترا کرکے) وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے —"

کفار فواحش کے مرتکب ہوتے تھے اور ان کو نیک کام تصور کرکے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کو خدا نے اسی کا حکم دیا ہے۔ اس کا جواب خداوند عالم نے دیا کہ ہماری طرف سے برے کاموں کا حکم نہیں دیا جاتا۔ ہر عاقل یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب شان الٰہی امر فواحش سے منزہ و مقدس ہے تو بندوں کے اعضاء و جوارح کے ذریعہ خود فاعل حقیقی بننا اسکے لئے کس طرح مناسب ہوگا —؟

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ

"اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنے کو آراستہ کرکے جایا کرو"

مجمع البیان میں اس آیت کے متعلق جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:—

ای خذوا ثیابکم التی تتزینون بها للصلوٰة فی الجمعات والاعیاد

"یعنی اپنے وہ کپڑے جن سے تم جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے زینت کرتے ہو اختیار کرو"

نیز عیاشی نے روایت کی ہے:—

کان الحسن بن علیؑ اذا قام الی الصلوٰة لبس اجود ثیابه فقیل له فی ذلك فقال ان الله جمیل یحب الجمال فاتجمل لربی وقرأ الآیة —

"جناب امام حسن عسکریؑ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو اپنا سب سے عمدہ کپڑا پہنتے تھے۔ اس کے بارے میں آنحضرت سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے لہذا میں اپنے رب کیلئے جمال ظاہر کرتا ہوں اور آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی —"

وَّکُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ

"اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ (کیونکہ) خدا فضول خرچ کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا"

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہی لطیف غذا جو زندگی اور تندرستی و توانائی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے اسی وقت تک فائدہ دیتی ہے جبتک کہ اعتدال کا لحاظ رکھا جائے اور اگر اعتدال اور اصول تحفظ صحت پر نظر نہ کی جائے تو موجب ہلاکِ نفس ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح مال جو امانت خدا اور انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کا وسیلہ ہے اگر احتیاط سے صرف کیا جائے تو راحت و عزت و شہرت کا بہترین وسیلہ ہوتا ہے اور مدت دراز تک فقر و احتیاج کی ذلت سے محفوظ رکھتا ہے لیکن اگر بے اعتدالی کی راہ اختیار کی جائے تو چند روز کے بعد شدید ضرورتوں کے پورا کرنے کے

بھی باقی نہیں رہ جاتا اور ناقابل برداشت تباہی آجاتی ہے۔ لہذا خداوند عالم نے تمام صحت بخش چیزوں کا کھانا اور باعث زینت لباس کا پہننا اس شرط سے جائز کیا ہے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اس سے کسی معصیت کا قصد نہ کیا جائے بلکہ محض خالق کی رضاجوئی اور اس کے فضل و انعام کا اظہار و اعلان مقصود ہو — اس مقام پر جناب صادق آل محمد علیہم السلام کا ایک کلام نقل کیا جاتا ہے جس سے ان آیات کے مطالب کی پوری توضیح ہوتی ہے:—

العیاشی عن الصادق علیه السلام قال اترى الله اعطى من اعطى من كرامته عليه ومنع من منع من هوان به عليه لا ولكن المال مال الله يضعه عند الرجل ودائع وجوز لهم ان ياكلوا قصدا ويشربوا قصدا ويلبسوا قصدا وينكحوا قصدا ويركبوا قصدا ويعودوا بما سوى ذلك على فقراء المؤمنين ويلموا به شعثهم فمن فعل ذلك كان ما ياكل حلالا ويشرب حلالا ويركب وينكح حلالا ومن عدا ذلك كان عليه حراما ثم قال ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين اترى الله ائتمن رجلا على مال خول له ان يشترى فرسا بعشرة آلاف درهم ويجزيه فرس بعشرين درهما ويشترى جارية بالف دينار ويجزيه بعشرين دينارا فقال ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين —

"تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جسکو خدا نے کچھ عطا کیا ہے بربنائے اعزاز عطا کیا ہے؟ اور جسے کچھ نہیں دیا ہے بربنائے توہین نہیں دیا ہے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ مال اللہ کا مال ہے وہ اسکو لوگوں کے پاس امانۃً رکھتا ہے البتہ ان کے لئے جائز کر دیا ہے کہ وہ میانہ روی سے کھائیں اور میانہ روی سے پئیں اور میانہ روی سے پہنیں اور میانہ روی سے نکاح کریں۔ اور میانہ روی سے سواری اختیار کریں۔ اور ان کاموں کے علاوہ جو کچھ بچے وہ فقرائے مومنین کو واپس کردیں اور اس کے ذریعہ سے وہ ان کی پریشانیوں کو دفع کریں۔ پس جس نے ایسا کیا وہ جو کھاتا ہے اور جو پیتا ہے اور جو سواری کرتا اور جو نکاح کرتا ہے سب حلال ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اس پر یہ سب استعمالات حرام ہیں۔ پھر فرمایا فضول خرچی نہ کرنا اس لئے کہ خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، کیا تم مناسب سمجھتے کہ خدا نے ایک شخص کو بطور امانت جو کچھ دیا ہے اس میں سے کیا تو دیکھتا ہے کہ اللہ نے ایک شخص کو ایک مال پر امین کیا وہ دس ہزار درہم کا گھوڑا خرید کرے حالانکہ اس کو بیس درہم کا گھوڑا کافی ہے اور ایک ہزار دینار میں لونڈی خرید کرے حالانکہ اس کو بیس دینار کی لونڈی کافی ہے پھر فرمایا ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين"

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

"(اے رسول ان سے) پوچھو تو کہ جو زینت کے ساز و سامان) اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں کس نے حرام کر دیں۔ تم خود کہہ دو یہ سب پاکیزہ چیزیں اس دنیوی زندگی میں (بھی) مومنین کے لئے ہیں اور قیامت کے دن انہیں لوگوں کے لئے خاص ہیں، ہم اس طرح اپنی آیتیں سمجھ دار لوگوں کے واسطے تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔"

اسلامی زہد "کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عمدہ لباس اور خوش ذائقہ غذاؤں سے اجتناب کیا جائے اور نفس کو اوس کی فطری خواہشوں سے محروم رکھا جائے بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اسباب راحت و زینت جائز طریقوں سے حاصل کئے جائیں اور ان سے انتفاع میں حد اعتدال ملحوظ رہے ایسا نہ ہو کہ انسان بندۂ نفس بنکر جسمانی لذتوں کے پورا کرنے اور زینت و آرائش کی نمائش میں اتنا مشغول ہو جاوے کی اعتدال کی حد پر قائم نہ رہ سکے۔ اور طیب و غیر طیب حلال و حرام کی تمیز باقی نہ رہ جائے کیونکہ اس صورت میں صحت دولت اور تمدن و تہذیب کی بنا منہدم ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر ناظرین کی دلچسپی اور فائدہ کے لئے نقل کی جاتی ہیں جن سے شارع کے طرز عمل پر روشنی پڑتی ہے اور اسلامی زہد کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔

عن الصادق علیہ السلام انہ رأہ سفیان الثوری وعلیہ ثیاب کثیرۃ القیمۃ حسان فقال واللہ لاتینہ ولا وبخنہ فدنی منہ فقال یا ابن رسول اللہ ما لبس رسول اللہ مثل ہذا اللباس ولا علی ولا احد من آبائک فقال کان رسول اللہ فی زمان قتر مقتر وکان یاخذ لقترہ واقتارہ وان الدنیا بعد ذلک ارخت عزالیہا فاحق اہلہا بہا ابرارہا ثم تلی قل من حرم زینۃ اللہ الآیۃ فنحن احق من اخذ منہا ما اعطاہ اللہ غیر انی یا ثوری ما تری علی من ثوب انما لبستہ للناس ثم اجتذب بید سفیان فجرہا الیہ ورفع الثوب الاعلی واخرج ثوبا تحتہ ذلک علی جلدہ غلیظا فقال ہذا لبستہ لنفسی

"صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؑ کو سفیان ثوری نے دیکھا کہ آپ بیش قیمت خوشنما لباس پہنے ہوئے ہیں بس اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں ان کی سرزنش کروں گا۔ قریب آکے بولا کہ یا ابن رسول اللہؐ جناب رسول خداؐ نے تو کبھی ایسے کپڑے نہیں پہنے اور نہ جناب علی مرتضیٰؑ نے پہنے اور نہ آپکے آباؤ اجداد میں سے اور کسی نے پہنے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ جناب رسول خدا عسرت زمانہ میں تھے اور ایسے عسرت کے زمانہ میں ہمارے اور بزرگ بھی رہے اور اسکے بعد دنیا نے ادھر رخ کیا تو جو اس میں ابرار ہیں وہ اس سے نفع اٹھانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر حضرتؑ نے یہ آیہ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق

والذی رأیتہ للناس ثم جذب ثوبا علی سفیان اعلاہ غلیظ خشن وداخل ذلک ثوب لین فقال لبست ہذا الاعلی للناس ولبست ہذا لنفسک تسترہا۔

تلاوت فرمائی بس اللہ تو نے جو کچھ عطا فرمایا ہے ہم اس کے لینے کے زیادہ مستحق ہیں مگر اے ثوری یہ جو اوپر کے کپڑے تو دیکھتا ہے تو یہ میں نے لوگوں کے دکھلانے کے لئے پہنے ہیں پھر سفیان کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا اور اوپر کا کپڑا اٹھا کر نیچے والا نکالا تو جسم مبارک سے جو ملا ہوا تھا وہ ویسا ہی موٹا تھا جیسا کہ حضرت کے بزرگ پہنا کرتے تھے، پھر فرمایا دیکھ یہ تو میں اپنے نفس کے لئے پہنتا ہوں اور وہ جو تو نے دیکھا وہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے اس کے بعد سفیان کا اوپر والا کپڑا کھینچ لیا جو بہت ہی موٹا اور کھردرا تھا تو اندر سے ایسا کپڑا نکلا جو بہت ہی نفیس اور نرم تھا فرمایا کہ تو نے یہ اوپر کا لباس تو لوگوں کے دکھانے کو پہن رکھا ہے اور اندر کا اپنے نفس کے لئے چھپا رکھا ہے۔

(۲) عن الصادق علیہ السلام انہ کان متکئا علی بعض اصحابہ فلقیہ عباد بن کثیر وعلیہ ثوب مرویۃ حسان فقال یا ابا عبد اللہ انک من اہل بیت نبوۃ وکان ابوک وجدک وکان فما ہذہ الثیاب المرویۃ علیک فلو لبست دون ہذ الثیاب فقال لہ ویلک یا عباد من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق ان اللہ عز وجل اذا انعم علی عبد نعمۃ احب ان یراہا علیہ لیس بہا باس۔

(۳) عن الصادق علیہ السلام انہ قیل لہ اصلحک اللہ ذکرت ان علی ابن ابیطالبؑ کان یلبس الخشن یلبس القمیص باربعۃ دراہم وما اشبہ ذلک ونری علیک اللباس الجید فقال لہ ان علی ابن ابیطالبؑ کان یلبس ذلک فی زمان لاینکر ولو لبس مثل ذلک الیوم لشہر بہ فخیر لباس کل زمان لباس اہلہ۔

(۳) صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرتؑ اپنے کسی صحابی پر سہارا دیئے ہوئے جا رہے تھے اور آپ شہر مرو کے بنے ہوئے نفیس کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ عباد ابن کثیر سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کی کہ یا حضرت آپ تو اہلبیت نبوت سے ہیں اور آپکے والد ماجد ایسے اور ایسے تھے اور آپکے جد امجد ایسے اور ایسے تھے پھر یہ کیا بات ہے کہ آپ ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اگر ان سے گھٹیا کپڑے آپ پہنتے تو موزوں ہوتا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اے عباد وائے ہو تجھ پر من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ بیشک خدائے عز و جل جب کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس بات کو بھی دوست رکھتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس بندے پر دیکھے تو ان کپڑوں کے پہننے میں

کوئی خرابی نہیں ہے۔

(۳) صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی نے آنحضرت سے یہ عرض کیا کہ خدا حضور کا بھلا کرے آپ ذکر فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کھردرا لباس پہنتے تھے چار درہم کی پوت کی قمیص اور اسی کے مانند اور لباس بھی۔ ہم آپ کو عمدہ لباس پہنے دیکھتے ہیں حضرت نے اس سے کہا کہ علی بن ابیطالب وہ لباس اس زمانہ میں پہنتے تھے جبکہ وہ لباس حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا اور اگر وہ لباس حضرت آج کل پہنتے تو مطعون ہو جاتے پس ہر زمانہ میں جو لباس اہل زمانہ میں رائج ہو اس کو اختیار کرو۔"

(۴) ایک مرتبہ امیرالمومنین علیہ السلام کے ایک صحابی علاء بن زیاد الحارثی نے اپنے بھائی عاصم بن زیاد کا تذکرہ کیا کہ وہ بالکل تارک دنیا اور خرقہ پوش بن گیا ہے حضرتؑ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ جب وہ حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا۔

یا عدیّ نفسہ لقد استہام بك الخبیث اما رحمت اهلك وولدك اترى الله احل لك الطيبات وهو يكره ان تاخذها انت اهون على الله من ذلك قال يا امير المؤمنين هذا انت فی خشونة عليك وجشوبة ماكلك قال ويحك انی لست كانت ان الله فرض على ائمة العدل ان يقدروا انفسهم بضعفة الناس كيلا يتبيغ بالفقير فقره۔

"اے اپنی جان کے دشمن تجھکو شیطان نے سرگشتہ کردیا ہے کیا تجھکو اپنے بیوی بچوں پر رحم نہیں آتا کیا تیری رائے میں جب اللہ نے تیرے لئے طیبات کو حلال کیا ہے وہ یہ ناپسند کرے گا کہ تو ان طیبات کو استعمال کرے۔ تو خدا کے نزدیک اس سے پست تر ہے اس نے کہا کہ اے امیرالمومنینؑ آپ گھٹیا پوشاک اور گھٹیا خوراک کے استعمال میں رہتے ہوئے ایسا فرماتے ہیں۔ آپنے فرمایا تجھ پر وائے ہو میں تجھ جیسا نہیں ہوں۔ بیشک اللہ نے ائمہ عدل پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ محتاج کو اسکی محتاجی ناگوار نہ ہو۔"

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذَٰلِكَ

نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝

"بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی نہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت ہی پائیں گے یہانتک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے ہو کر نکل جائے (یعنی جس طرح یہ محال ہے اسی طرح ان کا بہشت میں داخل ہونا محال ہے) اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔"

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔

اما المومنون فترفع اعمالهم وارواحهم الى السماء فتفتح لهم ابوابها واما الكافر فيصعد بعمله وروحه حتى اذا بلغ الى السماء نادى مناد اهبطوا به الى سجين۔

"لیکن مومنین کے اعمال اور ارواح آسمان کی طرف بلند کئے جائیں گے اور ان کے لئے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ لیکن کافر بھی اپنے عمل اور روح کیساتھ چڑھیگا یہانتک کہ جب آسمان تک پہونچے گا تو ایک منادی ندا دے گا کہ اس کو سجین کی طرف اتار لیجاؤ۔"

حتی یلج الجمل الخ اس فقرے میں کفار کے داخل جنت ہونے کی شرط ایک امر محال قرار دی گئی اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گذر جانا ناممکن امر ہے۔ پس جو امر اس شرط محال کے وقوع پر موقوف ہوگا وہ بھی محال ہوگا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۝

"اور ان لوگوں کے دل میں جو کچھ (بغض وکینہ) ہوگا وہ سب ہم نکال (باہر کر) دینگے۔ ان (کے محلوں) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور کہتے ہوں گے شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اس منزل مقصود تک پہونچایا اور اگر خدا ہمیں یہاں نہ پہونچاتا تو ہم یہاں نہ پہونچ سکتے۔"

اس جملے میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ باہمی حسد وعداوت جو اس دنیا میں ہوا کرتی ہے وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد مومنین کے قلوب میں باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ اون کے ارواح و قلوب ان خصائل ذمیمہ

سے بالکل ظاہر ہوں گے لہذا اون کے مراتب میں جو کمی و زیادتی اعمال و استحقاق کی وجہ سے کی جائے گی اوس پر ایک راضی و شاکر ہوگا کسی کو دوسرے پر رشک و حسد نہ ہوگا۔ اس کے پہلے اہل جہنم کی باہمی عداوت کی حالت دکھائی تھی۔ لہذا اس آیت میں مومنین کے قلوب کی طہارت واضح فرمائی کہ مثل اہل جہنم اون کے درمیان کوئی خصومت و نزاع اور حسد و عداوت نہ ہوگی۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۙ تب ایک منادی ان کے درمیان ندا کرے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے"

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ "موذن" سے مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

چنانچہ یہ روایات ینابیع المودۃ سے نقل کی جاتی ہیں (صـ ۱۰۱ مطبوعہ مصر)

(۱) الحاکم ابو القاسم الحسکانی اخرج بسندہ عن محمد بن الحنفیہ رضی اللّٰہ عنہ عن ابیہ علی کرم اللّٰہ وجہہ قال انا ذلک المؤذن۔ "حاکم ابو القاسم الحسکانی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن حنفیہ رضی سے نقل کیا ہے اور انھوں نے اپنے والد علی کرم اللّٰہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا وہ موذن میں ہوں"

(۲) الحاکم بسندہ عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما انہ قال علی رضی اللّٰہ عنہ فی کتاب اللّٰہ اسماء لا یعرفہا الناس فاذن موذن بینهم یقول لعنة اللّٰہ علی الظالمین الذین کذبوا بولایتی واستخفوا بحقی۔ "حاکم اپنی سند کے ساتھ ابو صالح سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کتاب خدا میں میرے ایسے اسماء (نام) ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے منجملہ ان کے فاذن موذن بینہم ہے آپ فرماتے ہیں کہ آگاہ ہو کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے یعنی وہ جنھوں نے میری ولایت کو جھٹلایا اور میرے حق کو سبک سمجھا"

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِیْمٰىهُمْ ۚ اور کچھ لوگ اعراف پر ہوں گے جو ہر شخص کو (وہ جنتی ہو یا جہنمی) ان کی پیشانی سے پہچان لیں گے"

اسی آیت کی بابت حافظ ابن مردویہ نے روایت کی ہے:-

عن علی قال نحن اصحاب الاعراف من عرفناہ بسیماہ ادخلناہ الجنة۔ (ارجح المطالب صـ ۹۶) "حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم اصحاب اعراف ہیں ہم جسکو اسکی پیشانی سے پہچانیں گے اسکو جنت میں داخل کریں گے۔"

اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے:-

الاعراف موضع عال من الصراط علیه العباس وحمزة وعلی وجعفر یعرفون محبیهم ببیاض الوجوه ومبغضیهم بسواد الوجوه۔ (منقول از صواعق محرقہ و ینابیع المودۃ) "اعراف پل صراط کا وہ بلند مقام ہے جس پر عباس و حمزہ و علی و جعفر (علیہم السلام) اپنے دوستوں کو چہروں کی روشنی سے اور اپنے دشمنوں کو چہروں کی تاریکی سے پہچانیں گے"

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ "اعراف" جنت و جہنم کے درمیان صراط کے پاس ایک مقام بلند ہوگا۔ جہاں خدا کے مخصوص بندے اس غرض سے ٹھہرائے جائیں گے اور ان کو یہ قوت فراست عطا کی جائے گی کہ ہر شخص کی پیشانی دیکھکر پہچان لیں گے کہ یہ بندہ کیسا ہے شفاعت کا مستحق ہے یا نہیں اور وہاں ان کے بٹھانے سے مقصود یہ ہوگا کہ وہ تمام گذرنے والوں کو دیکھتے رہیں۔ اور جو ان کو قابل شفاعت دکھائی دے اس کی شفاعت کر کے جنت میں داخل کرائیں۔ یہی مطلب امیر المومنینؑ کے اس کلام کا ہے: "من عرفناہ بسیماہ ادخلناہ الجنة"۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

"بیشک تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے (صرف) چھ دنوں میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا"

ان آیات کے متعلق چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے:-

اول یہ کہ بطور کلی قرآن کی تمام تعلیمات کا مدار چار امور پر ہے توحید۔ نبوت۔ معاد۔ قضا و قدر۔

چونکہ پہلے احوال معاد کو ایسی تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کی نظیر دوسری آسمانی کتابوں میں نہیں مل سکتی اور معاد کا اثبات توحید و قدرت علم پر موقوف ہے نیز نبوت و رسالت کے ذریعہ بہر طور اتمام حجت کئے بغیر جزا و سزا کا مرتب کرنا عقلاً قبیح ہے لہذا بعد میں ان امور کا تذکرہ استدلالی و تفصیلی عنوان سے شروع کیا گیا یہ حسن ترتیب مقدمات و نظم براہین قویہ قرآن حکیم کے خصائص میں سے ہے ۔

دوم ستۃ ایام سے مراد اتنی مقدار تاخیر ہے جس کا اندازہ چھ دنوں سے کیا جا سکتا ہے ۔ اور بعض روایات میں معصوم نے اس کی تفسیر میں "ستۃ اوقات" فرمایا ہے اس بنا پر مقصود آیت یہ ہوا کہ تمام آسمان و زمین کو یکبارگی نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے چھ مرتبہ کرکے خلق فرمایا۔ ستۃ ایام محض اس لئے فرمایا ہے کہ عوام کو بغیر اس کے کسی دوسرے لفظ سے سمجھانا ممکن نہ تھا۔ ورنہ فی الحقیقت آسمانوں کی خلقت سے پہلے نہ شب و روز تھے اور نہ زمانہ و اوقات ۔

سوم ۔ خلقت آسمان و زمین میں اس تاخیر کی غایت معصومین کے مندرجہ ذیل ارشادات میں مذکور ہے ۔

(۱) عن امیر المومنینؑ ولو شاء ان یخلقها فی اقل من لمح البصر لخلق ولکنه جعل الاناة والمداراة مثالاً لامنائه وایجاباً للحجة علی خلقه

(۱) امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ان آسمانوں کو چشم زدن میں پیدا کر دیتا لیکن اس نے تاخیر و نرمی کو اپنے امانتداروں (انبیاء و اوصیاء) کے لئے مثال بنایا ۔ اور مخلوقات پر اپنی حجت کو لازم کر دیا ۔

(۲) عن الرضا علیه السلام انه کان قادراً علی ان یخلقها فی طرفة عین ولکنه عز وجل خلقها فی ستة ایام لیظهر علی الملائکة ما یخلقه منها شیئاً بعد شیء فیستدل بحدوث ما یحدث علی الله تعالی مرة بعد مرة ۔

(۲) حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے کہ وہ (خدا) اس پر قادر تھا کہ ان سب کو پل بھر میں خلق کر دیتا لیکن اس نے ان کو چھ یوم میں اس لئے خلق فرمایا تاکہ ملائکہ پر یکے بعد دیگرے اپنی خلقت کو ظاہر کرے اور ان کا یکے بعد دیگرے ہونا حدوث کی دلیل بن جائے ۔

ان روایتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ خالق عالم اس پر قدرت رکھتا تھا کہ تمام آسمان و زمین کو ایک لحظہ میں خلق کر دیتا لیکن اتنی تاخیر اس لئے کی کہ بندوں کو ان کے کاموں میں جلدی نہ کرنے کی تعلیم دی چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے ۔

ولقد خلقنا السموٰت والارض وما بینهما فی ستة ایام وما مسنا من لغوب فاصبر علی ما یقولون ۔ "اور ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کو جو ان دونوں کے مابین ہیں چھ یوم میں پیدا کیا ۔ اور ہم کو کوئی تھکن نہیں ہوئی ۔ پس تم ان کے اقوال پر صبر کرو ۔"

اس آیت میں "وما مسنا من لغوب" فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ چھ دنوں میں آسمان و زمین کو خلق کرنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ اس سے جلد خلق کر دینے میں ہم کو کوئی تعب یا تھکن لاحق ہوتی تھی ۔ اور پھر اس پر چھ دنوں میں خلق کرنے پر حکم "فاصبر" کو مرتب کرکے یہ ظاہر فرمایا کہ اے رسولؐ جس طرح ہم اپنے افعال میں باوجود قدرت تعجیل نہیں کرتے اسی طرح تم بھی لوگوں کے اقوال پر صبر کرو ۔ نزول عذاب میں تعجیل کی خواہش نہ کرو ۔

دوسری بات یہ کہ رفتہ رفتہ خلق کرنے سے مخلوق کی نظر میں خالق کی قدرت و حکمت ظاہر و واضح ہو سکتی تھی ۔ صانع عالم میں یہ قدرت بے شک تھی کہ وہ ایک لمحہ میں سب کچھ خلق کر دیتا مگر عقول مخلوقات میں یہ قوت نہ تھی کہ ایک لمحہ میں اس کے علم و اقتدار کو بخوبی ادراک کر لیتی بلکہ خالق عالم کے کمال علم و قدرت و حکمت کا یقین کامل اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ رفتہ رفتہ حوادث کے عالم وجود میں آنے کا نظارہ کرے اور لحظہ بہ لحظہ ان کی حرکات ترقی کو مشاہدہ کرے ۔ لہذا تاخیر اس لئے کی گئی کہ بندوں کو غور و فکر کا موقع کافی ملے اور خدا کی حجت ان پر تمام ہو جائے ۔

اور پہلی حدیث میں معصوم کے اس کلام "وایجاباً للحجة علی خلقه" کا مطلب یہی ہے ۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ "نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے ۔"

یہاں بجائے "قریبة" کے "قریب" کہنا اہل لغت کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ لفظ "رحمة" میں تانیث حقیقی نہیں ہے ۔ لہذا اس کی صفت میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہے ۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا الخ "اور (ہم نے قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا ۔"

یہ قوم اپنے جد اعلیٰ ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے نام سے مشہور تھی ۔ اور حجاز و شام کے درمیان آباد تھی ۔ خود جناب صالح بھی ثمود بن عاد ہی کی اولاد میں سے تھے ۔ آپ کا معجزہ وہ اونٹنی تھی

جس کو خدا نے اس قوم کی فرمائش پر بچے سمیت پہاڑ کے ایک پتھر سے نکالا تھا اور وہ اس حیثیت سے بھی معجزہ تھی کہ جتنا پانی ایک دن میں ساری قوم کے لئے کافی ہوتا تھا۔ وہ دوسرے دن تنہا پی جاتی تھی؛ اور اس دن اتنا دودھ دیتی تھی جو تمام قوم ثمود کے سیراب ہو جانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ اون لوگوں کو خدا کی طرف سے یہی بتا دیا گیا تھا کہ اس شہر کا تمام پانی ایک دن اپنے مصرف میں لایا کریں اور دوسرے دن اونٹنی کیلئے چھوڑ دیں اور اس دن صرف اس کے دودھ ہی پر قناعت کریں مگر جو لوگ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لائے تھے وہ اس حکم کی تعمیل کیا کرتے آخر کار لوگوں نے مشورہ کر کے ایک سقے کو آمادہ کیا اور اوس اونٹنی کے پاؤں کٹوا دیئے پھر سب نے ملکر اس کا گوشت کھا لیا۔ اور اس کے بچے نے پہاڑ پر جا کر تین مرتبہ اپنا سر بلند کر کے فریاد کی۔ اور پہاڑ میں چلا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت صالحؑ نے لوگوں سے کہا کہ تم کو تین روز کی مہلت دیجاتی ہے اگر اس کے اندر اپنے کفر و عصیان سے توبہ کر لی تو نجات مل جائے گی ورنہ عذاب نازل کر دیا جائے گا۔ مگر وہ لوگ اپنے کفر و معاصی سے باز نہ آئے۔ آخر کار چوتھے دن ایک سخت خوفناک گرج پیدا ہوئی جس سے سب کے کان پھٹ گئے اور دل و جگر شق ہو گئے اور پھر آسمان سے آگ نازل ہوئی جس نے اون کو جلا کر خاک کر دیا۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ
وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

"اس کے بعد صالحؑ ان سے ٹل گئے اور (ان سے مخاطب ہو کر) کہا اے میری قوم میں نے اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہونچا دیئے تھے۔ اور تمہاری خیر خواہی کی تھی (اور اونچ نیچ سمجھا دیا تھا) مگر (افسوس) تم (خیر خواہ) سمجھانے والے کو اپنا دوست ہی نہیں سمجھے"

جناب صالحؑ کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا قلب اپنی قوم کی نصیحت قبول نہ کرنے اور مستحق عذاب ہو جانے سے متاثر تھا اور ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان کسی کی خیر خواہی مد نظر رکھکر نصیحت کرتا ہے اور وہ اسکو قبول

نہ کرنیکے سبب سے تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے تو وہ تاسف و حسرت سے کہتا ہے کہ آخر تم نے میری نصیحت نہ مانی اور ہلاک ہو کر رہے۔ نیز یہ کلام اوس کلام سے مشابہ ہے جو آنحضرتؐ نے جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد کفار کے مقتولین سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس وقت ایک صحابی نے عرض کی تھی کہ یہ لوگ تو مردہ ہیں ان سے خطاب کیسا؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ تم سے زیادہ سنتے ہیں جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا
اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"لوطؑ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا تو جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ (افسوس) تم ایسی بدکاری کرتے ہو کہ تم سے پہلے ساری خدائی میں کسی نے ایسی بدکاری نہیں کی تھی"

جناب لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی تھے، اور انہیں کے عہد میں اہل موتفکات کو ہدایت کرنے پر معین کئے گئے تھے۔ اس قوم کے پانچ شہر آباد تھے۔ جن میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط

"اور (ہم نے) مدین (والوں کے) پاس ان کے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر بھیجا)"

جناب شعیب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے، آپ کی قوم میں دیگر فواحش و معاصی کے علاوہ دو باتیں بہت رائج تھیں ایک رہزنی اور دوسرے ناپ تول میں زیادہ لینا اور کم دینا۔

جزو ہشتم تمام شد

جز نہم

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ۝ "ان کی قوم میں سے جن لوگوں کو (اپنی حشمت دنیا پر) بڑا گھمنڈ تھا کہنے لگے کہ اے شعیب ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کر دیں گے مگر جبکہ تم بھی ہمارے اسی مذہب و ملت میں لوٹ کر آجاؤ (تو خیر) شعیب نے کہا کیا ہم اگرچہ تمہارے مذہب سے نفرت ہی رکھتے ہوں"

اس آیت میں قوم شعیب علیہ السلام کے اس مطالبہ کی حکایت کی گئی ہے کہ وہ مع تابعین اون کے دین کی طرف عود کر آئیں۔ نیز اس کے جواب میں حضرت نے بھی "ان عدنا" اور "ان نعود فیہا" فرمایا ہے جس سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ مبعوث ہونے سے پیشتر آپ بھی ملۃ کفار پر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کا اول عمر سے آخر تک معصوم ہونا دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے جن کی تفصیل مقدمہ حواشی سے معلوم ہو سکتی ہے البتہ ممکن ہے کہ بوجہ غلبہ کفر حضرت شعیب بعثت سے پہلے اپنے دین کو مخفی رکھتے رہے ہوں جس سے کفار کو یہی گمان رہا ہو کہ آپ پہلے ان کی ملت پر تھے، اب اس سے خارج ہو گئے ہیں لہذا عود کرنے کا مطالبہ کیا ہو اور حضرت نے اونھیں کے گمان کے مطابق جواب دیا ہو لیکن اس سے بہتر یہ احتمال ہے کہ اس مطالبہ اور جواب میں تغلیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی جو لوگ آپ کی دعوت پر ایمان لائے تھے وہ پہلے ملۃ کفر پر تھے اور اُن کی تعداد زیادہ تھی لہذا کفار کے خطاب اور اوس کے جواب میں انھیں لوگوں کی کثرت و غلبہ تعداد کا لحاظ کر کے لفظ عود استعمال کیا گیا

ہے اور یہ عنوان کلام عرف عام میں بہ کثرت رائج ہے اسی لئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ "اور ہمارے واسطے تو کسی طرح جائز نہیں کہ ہم تمہارے مذہب کی طرف لوٹ جائیں مگر ہاں جب میرا پروردگار اللہ چاہے تو (البتہ مضائقہ نہیں)"

اس جواب میں جناب شعیبؑ نے مشیت الٰہی کی شرط لگا کر نہایت استقامت عزم اور کمال رسوخ ایمان کو ظاہر کیا ہے اور عود الی الکفر کو ناممکن امر قرار دیا ہے کیونکہ اُس سے مشیت الٰہی کا متعلق ہونا منافی عدل و مستلزم مفاسد کثیرہ ہونے کے سبب ممکن نہ تھا۔

فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ "پھر میں اب کافروں پر کیوں افسوس کروں۔"

یہ استفہام انکار کا ہے جس سے مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ جو لوگ شدت کفر و معصیت کی وجہ سے مستحق عذاب ٹھہرے اون کی حالت قابل افسوس و لائق حزن و ملال نہیں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ۝ "اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو (کہنا نہ ماننے پر) سختی اور مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگ (ہماری بارگاہ میں) گڑگڑائیں"

محصل آیت یہ ہے کہ جب ہم نے کسی قریہ میں کسی نبی کو بھیجا اور لوگوں پر حجت تمام کر دی لیکن وہ راہ راست پر نہ آئے تو ہم نے اون کو طرح طرح کی سختیوں میں مبتلا کیا اور کبھی فارغ البالی و خوشحالی عطا کی تاکہ اب بھی ان تغیرات احوال سے متنبہ ہو کر کفر و شرک سے توبہ کر لیں مگر جبکہ ان باتوں پر بھی وہ باز نہ آئے اور آپس میں سمجھنے لگے کہ یہ حوادث تو عادت زمانہ و انقلاب دہر کا کرشمہ ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد پر بھی ایسے ہی گزرے ہیں تو اس وقت ان پر عذاب ناگہانی نازل کر دیا گیا۔

أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝

"یا ان بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر دن ڈھاڑے ہمارا عذاب آپہونچے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں"

"لعب" سے مراد امور دنیا میں اشتغال ہے۔

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝

"تو کیا یہ لوگ خدا کی تدبیر سے ڈھیٹ ہو گئے ہیں۔ تو یاد رہے کہ خدا کے داؤ سے صرف گھاٹا اٹھانے والے ہی نڈر ہو بیٹھتے ہیں"

"مکر" سے مراد عذاب ناگہانی ہے۔ چونکہ مکر عموماً غفلت کی حالت میں کیا جاتا ہے اور عذاب کی بابت بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ نیند کی غفلت یا دنیاوی کاروبار میں مصروفیت کی حالت میں ناگہانی طور پر نازل کر دیا جائے گا۔ اس لئے عذاب کو مکر سے تعبیر فرمایا۔ اس لفظ کے معنی کی تحقیق پہلے بھی مفصلاً گذر چکی ہے۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

"کیا جو لوگ اہل زمین کے بعد زمین کے وارث (و مالک) ہوتے ہیں انھیں یہ معلوم نہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی بدولت ان کو مصیبت میں پھنسا دیتے (مگر یہ لوگ ایسے ناسمجھ ہیں) کہ گویا ان کے دلوں پر ہم خود مہر کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ سنتے ہی نہیں"

"طبع" اور "ختم" کے معنی اوائل سورہ بقرہ میں بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ پہلے ہی کسی کے دل پر خدا کی طرف سے مہر نہیں لگائی جاتی جس سے وہ کفر و معصیت

پر مجبور ہو جائے کیونکہ ایسا کرنا خداوند عالم کی شان عدل کے منافی اور ظلم قبیح ہے جس سے اس کی ذات منزہ و مقدس ہے البتہ بعد اتمام حجت کفر و معصیت پر اصرار واقع ہونے کی حالت میں عذاب و عقوبت کے طور پر تمام توفیقات سلب کر لی جاتی ہیں اور قلوب پر مہر لگا دی جاتی ہے جس سے قبول وعظ و نصیحت کی قابلیت باقی نہیں رہتی۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝

"(اے رسولؐ) یہ چند بستیاں ہیں جن کے حالات ہم تم سے بیان کرتے ہیں اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ ان کے پیغمبر ان کے پاس بہت واضح و روشن معجزے لیکر آئے مگر یہ لوگ جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے، اس پر بھلا کاہے کو ایمان لانے والے تھے۔ خدا یوں کافروں کے دلوں پر علامت مقرر کر دیتا ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے)"

اس آیت میں "فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے انبیاء و رسل کی جن باتوں کو ظہور معجزات سے قبل جھٹلایا ان پر بعد اظہار معجزات بھی کب ایمان لانے والے تھے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝

"اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں کا عہد (وہ عہد جو ان لوگوں نے نزول عذاب کو دیکھکر کیا تھا کہ اگر یہ بلا ہم سے دفع ہو گئی تو ہم ایمان لائیں گے) ٹھیک نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثروں کو بدکار ہی پایا"

"اکثرہم" میں ضمیر اہل قریٰ کی طرف راجع ہے اور "اکثر" اس لئے فرمایا تھا کہ بعض افراد بے وفا و فاسق نہ تھے بلکہ مومن و مطیع ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی۔

(۱) اس آیت میں مثل آیۂ سورۂ بقر "اربعین لیلۃ" نہیں کہا بلکہ "ثلاثین لیلۃ واتممناہا بعشر" فرمایا تاکہ یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ ان میں سے تیس دن تو وہ تھے جن میں عبادات، وریاضات کا حکم خدا نے جناب موسیٰ کو دیا تھا جب وہ اون کو پورا کر چکے تو نزول توراۃ کا سلسلہ شروع ہوا جو دس دن تک جاری رہا۔ اس طرح چالیس دن پورے ہو گئے۔

(۲) اس کے بعد بطور نتیجہ سابق "فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ" اس لئے کہا ہے کہ یہ شبہ کسی کو نہ ہو کہ وہ دس دن جن کا ذکر بعد میں کیا ہے اونھیں تیس دنوں میں شامل ہیں۔ اس طرح کہ پہلے بیس ہی دن معین رہے ہوں پھر ان میں دس دنوں کا اضافہ کر کے تیس دنوں پر تمام کیا ہو۔

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝

"موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین رہو اور ان کی اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا۔"

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:—

اول یہ کہ جناب ہارون کا باوجود ان کے نبی مرسل ہونے کے ایک وقت خاص کے لئے خلیفہ و نائب بنایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ امامت و ریاست عامہ کا منصب نبوت کے منصب سے علیحدہ ہے کبھی دونوں ایک ہی ذات میں جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے جناب موسیٰ دونوں منصب پر فائز تھے مگر جناب ہارون کو ——— جناب موسیٰ کے ساتھ امامت و ریاست عامہ کا منصب حاصل نہ تھا اگرچہ تبلیغ رسالت کے فرائض میں خداوند عالم کی طرف سے دونوں بزرگواروں کی شرکت قرار دی گئی تھی۔ مگر امامت کے فرائض جناب موسیٰ ہی کی ذات سے مخصوص رکھے گئے تھے، اسی لئے جناب ہارون کو خاص طور پر خلیفہ و نائب بنانے کی ضرورت ہوئی۔

دوم یہ کہ جبکہ صرف چالیس دن کی غیبت میں بھی یہ لازم تھا کہ جناب موسیٰ اپنی قوم کو مطلق العنان نہ چھوڑیں بلکہ ایک خلیفہ و نائب مقرر کرتے جائیں۔ جو لوگوں کی اصلاح کرتا رہے تو کسی ایسے رسول کے لئے جس کے فرائض جناب موسیٰ کے فرائض سے زیادہ اہم تھے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو آزاد چھوڑ جائے اور اپنے بعد کے لئے اصلاح امت کو مدنظر رکھ کر کسی کو خلیفہ و نائب مقرر نہ کر جائے عقل سلیم اس تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتی۔

فَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ

"اور جب موسیٰ ہمارا وعدہ پورا کرنے (کوہ طور پر) آئے اور ان کا پروردگار ہم کلام ہوا تو موسیٰ نے عرض کی خدایا تو اپنی ایک جھلک دکھلا دے کہ میں تجھے دیکھوں، خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو (ہم اس پر تجلی ڈالتے ہیں) پس اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے تو (سمجھنا) کہ عنقریب مجھے بھی دیکھ لو گے (ورنہ نہیں) پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے خداوندا تو دیکھنے دکھانے سے پاک و پاکیزہ ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں سب سے پہلے تیری عدم رویت کا یقین کرتا ہوں۔"

یہ آیت اون خوش اعتقاد لوگوں کی امیدوں کے لئے برق خرمن سوز ہے جو رویت خالق عالم کو ممکن تصور کر کے بعث کے مبارک دن میں اس کی بے حجاب جلوہ نمائی کے منتظر ہیں۔ اگر صحت عقل کے ساتھ مقصود آیت پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ رویت باری تعالیٰ اوسی طرح محال ہے جس طرح اس کا جسمانی و مکانی ہونا۔ ہم مفہوم آیت کو ناظرین پر بحد کمال واضح کرنے کے لئے ایک حدیث معصوم کا نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

عن علی بن محمد بن الجہم قال حضرت مجلس المامون وعندہ الرضا علی بن موسیٰ علیہم السلام فقال لہ

"علی بن محمد بن الجہم سے مروی ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میں مامون کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ اس کے پاس علی بن موسیٰ الرضا ع

المامون یا ابن رسول اللہ الیس فی قولک ان الانبیاء معصومون قال بلی فسئلہ عن آیات من القرآن فکان فیما سأل ان قال لہ فما معنی قول اللہ عز وجل فلما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی الآیۃ کیف یجوز ان یکون کلیم اللہ موسی بن عمران عٰ لا یعلم ان اللہ تعالیٰ ذکرہ لا یجوز علیہ الرؤیۃ حتی یسألہ عن ہذا السؤال فقال الرضاؑ ان کلیم اللہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام علم ان اللہ تعالیٰ عن ان یریٰ بالابصار ولکنہ لما کلمہ اللہ عز وجل وقربہ نجیا رجع الی قومہ فاخبرہم ان اللہ عز وجل کلمہ وقربہ وناجاہ فقالوا لن نؤمن لک حتی نسمع کلامہ کما سمعت وکان القوم سبعمائۃ الف رجل فاختار منہم سبعین الفاً ثم اختار منہم سبعۃ آلاف ثم اختار منہم سبعمائۃ ثم اختار منہم سبعین رجلاً لمیقات ربہم فخرج الی طور سیناء فاقامہم فی سفح الجبل وصعد موسیٰ الی الطور وسأل اللہ تعالیٰ ان یکلمہ ویسمعہم کلامہ فکلمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ وسمعوا کلامہ من فوق واسفل ویمین وشمال ووراء وامام لان اللہ عز وجل احدثہ فی الشجرۃ ثم جعلہ منبعثاً منہا حتی سمعوہ من جمیع الوجوہ فقالوا لن نؤمن لک بان ہذا الذی سمعناہ

علیہم السلام تشریف فرما تھے آنحضرتؑ سے مامون نے کہا کہ یا ابن رسول اللہ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ انبیاءؑ معصوم ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں کہتے ہیں۔ تب اس نے آنحضرتؑ سے قرآن کی کئی آیتوں کے بارے میں دریافت کیا منجملہ اس کے سوالات کے ایک یہ بھی تھا کہ قول خدا ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی کے کیا معنی ہیں یہ کیسے جائز ہے کہ کلیم اللہ موسیٰ ابن عمرانؑ یہ نہ جانتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت جائز نہیں ہے تا اینکہ اس ذات اقدس سے یہ سوال کیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ کلیم اللہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا لیکن جب اللہ نے آنحضرت سے کلام کیا اور انکو مناجات کا شرف تقرب عطا کیا تو آنحضرت اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور ان کو خبر دی کہ اللہ نے ان سے کلام کیا، تقرب عطا کیا اور مناجات کا موقعہ دیا۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم تمہارا اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم اس (خدا) کے کلام کو ایسے ہی نہ سنیں جیسے تم نے سنا ہے اور قوم میں سات لاکھ مرد تھے، ان میں سے ستر ہزار انتخاب کئے پھر ان میں سے سات ہزار انتخاب کئے پھر ان میں سے سات سو انتخاب کئے پھر ان میں سے ستر انتخاب کئے بعد ازاں طور سینا کی طرف ان کو لیکر نکلے اور ان کو دامن کوہ میں کھڑا کر کے موسیٰ طور پر چڑھ گئے اور خدا سے سوال کیا کہ وہ ان سے کلام کرے کہ جو لوگ اس کے کلام کو سنیں پس خدا تعالیٰ نے

کلام اللہ حتی نری اللہ جہرۃ فلما قالوا ہذا القول العظیم واستکبروا وعتوا بعث اللہ عز وجل علیہم صاعقۃ فاخذتہم بظلمہم فماتوا فقال موسیٰ یا رب ما اقول لبنی اسرائیل اذا رجعت الیہم وقالوا انک ذہبت بہم فقتلتہم لانک لم تکن صادقاً فیما ادعیت من مناجاۃ اللہ ایاک فاحیاہم اللہ وبعثہم معہ فقالوا انک لو سألت اللہ ان یریک تنظر الیہ لاجابک وکنت تخبرنا کیف ہو فنعرفہ حق معرفتہ فقال موسیٰ یا قوم ان اللہ لا یریٰ بالابصار ولا کیفیۃ لہ وانما یعرف بآیاتہ ویعلم باعلامہ فقالوا لن نؤمن لک حتی تسئلہ فقال موسیٰ یا رب انک قد سمعت مقالۃ بنی اسرائیل وانت اعلم بصلاحہم فاوحی اللہ جل جلالہ الیہ یا موسیٰ اسئلنی ما سألوک فلن اؤاخذک بجہلہم فعند ذلک قال موسیٰ رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ وہو یہوی فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل بآیۃ من آیاتہ جعلہ دکاً وخر موسیٰ صعقاً فلما افاق قال سبحانک تبت الیک یقول رجعت الی معرفتی بک عن جہل قومی وانا اول المؤمنین منہم بانک لا تریٰ فقال المامون للہ درک یا ابا الحسن

موسیٰ سے کلام کیا اور ان لوگوں نے اس کے کلام کو اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے (شش جہت) سے سنا کیونکہ کلام کو خدائے بزرگ نے درخت میں پیدا کیا تھا۔ پھر اسکو اس درخت سے پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو تمام جہتوں سے سنا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم اس پر ایمان نہیں لاتے کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ خدا کا کلام ہے یہاں تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھ لیں۔ پس جب انہوں نے یہ بڑی بات کہی اور تکبر اور سرکشی کی تو خدائے بزرگ نے ان پر بجلی بھیجی جس نے ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے گرفتار کر لیا پس وہ مر گئے۔ موسیٰؑ نے کہا اے پروردگار میں جب واپس جاؤں گا تو بنی اسرائیل سے کیا کہوں گا جب وہ یہ کہیں گے کہ تم نے ان کو لیجا کر مار ڈالا کیونکہ تم اپنی اللہ سے مناجات کے دعوے میں سچے نہ تھے۔ تو ان کو خدا نے زندہ کر کے موسیٰ کے ساتھ بھیجا پھر انہوں نے کہا کہ اگر تم خود خدا سے سوال کرتے کہ وہ تمکو اس طرح دکھائی دے کہ تم اس کو دیکھ لو تو وہ تمہاری دعا قبول کرتا اور تم ہمیں خبر دے سکتے کہ وہ کیسا ہے تو ہم اسکی سچی معرفت حاصل کر لیتے موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم یقین کرو کہ خدا آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا اور نہ وہ صاحب کیفیت ہے وہ تو اپنی نشانیوں سے پہچانا جاتا ہے اور اپنی علامتوں سے جانا جاتا ہے انہوں نے کہا جب تک تم سوال نہ کرو گے ہم تو تم پر ایمان نہ لائیں گے۔ موسیٰؑ نے کہا اے پروردگار تو نے بنی اسرائیل کی گفتگو سنی اور تو ان کی بہبودی سے خوب واقف ہے تو خدائے بزرگ نے وحی کی کہ اے موسیٰؑ

انھوں نے تجھ سے جو کچھ سوال کرنے کو کہا ہے تو مجھ سے سوال کریں ان کی جہالت کے سبب تجھ سے مواخذہ نہ کروں گا۔ اس وقت موسیٰ نے کہا پروردگارا تو مجھے اپنی ایک جھلک دکھلا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ہاں پہاڑ کی طرف دیکھو پس اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ حالانکہ وہ جھک رہا تھا۔ پھر جب پروردگار نے پہاڑ پر اپنی آیتوں میں سے ایک آیت (نشانی) کے ذریعہ سے تجلی ڈالی تو اس کو چکنا چور کر دیا۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب موسیٰ ہوش میں آئے تو کہنے لگے تو پاکیزہ ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی میں اپنی قوم کی جہالت سے تیرے بارے میں کنارہ کش ہو کر اپنی معرفت کی طرف پلٹ آیا۔ اور میں سب سے پہلے تیری عدم رویت کا یقین کرتا ہوں۔ یہ سنکر مامون نے کہا کہ اے ابوالحسنؑ خدا تمہارا بھلا کرے تمہاری فہم اللہ کی مہربانی ہے۔"

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے :۔

(۱) جناب موسیٰ کی درخواست کا سبب یہ نہ تھا کہ آپ کو رویت باری تعالیٰ کے محال ہونے کی خبر نہ تھی، لہذا کلام الٰہی کے سننے کا شرف حاصل ہونے کے بعد شوق دیدار بھی پیدا ہوا بلکہ اپنی قوم کے جاہلانہ اصرار سے مجبور ہو کر بارگاہ رب العزت میں یہ درخواست پیش کی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ پہلے یہ عرض کر چکے تھے کہ "پروردگار تو بنی اسرائیل کی گفتگو کو سنتا ہے اور جانتا ہے کہ ان کی بہبودی کس بات میں ہے" اور ادھر سے سوال کی اجازت مل گئی تھی اور یہ اطمینان دلا دیا گیا تھا کہ قوم کی جاہلانہ روش کا مواخذہ اون سے نہیں کیا جائے گا اس امر کا ثبوت قرآن کی متعدد آیتوں میں بھی موجود ہے اور وہ یہ ہیں :۔

پہلی آیت ۔ فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذلک فقالوا ارنا اللہ جہرۃ فاخذتہم الصاعقۃ بظلمہم ۔

"چنانچہ لوگوں نے موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑی چیز کا سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دیجئے تو انھیں انھیں کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے آلیا"

دوسری آیت ۔ اذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصاعقۃ و انتم تنظرون ۔

"یاد کرو جبکہ تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جبتک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ تو تمھیں بجلی نے گرفت میں لے لیا۔ حالانکہ تم دیکھ رہے تھے"

تیسری آیت ۔ فلما اخذتہم الرجفۃ قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل و ایای اتھلکنا بما فعل السفہاء منا ۔

"جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ پالنے والے اگر تو چاہتا تو مجھکو اور ان سب کو پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا کیا ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔"

(۲) خداوند عالم نے محض استقرار جبل کو رویت کی شرط نہیں قرار دیا ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ پہاڑ کا سکون و استقرار ممکن ہے لہذا جو بات اس پر معلق ہوگی وہ بھی ممکن ہوگی۔ بلکہ اس وقت کے استقرار و سکون کو شرط قرار دیا ہے جبکہ وہ متحرک ہو کر پاش پاش ہو جانے والا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ سکون کا حرکت کے ساتھ جمع ہونا محال ہے لہذا رویت جو اس پر معلق کی گئی وہ بھی محال ہوگی۔ اور اس اسلوب کلام کی نظیر وہ آیت بھی ہے جس میں کفار کے داخل جنت ہونے کی شرط یہ قرار دی گئی ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر جائے۔ علاوہ اس کے کلام عرب میں بکثرت نظیریں موجود ہیں منجملہ اون کے ایک شعر یہ ہے

اذا شاب الغراب اتیت اھلی   وصار القیر کاللبن الحلیب

(یعنی کوا جب بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو جائے گا اور تارکول سفید دودھ بن جائے گا تو میں اپنے اہل و عیال میں واپس آؤں گا)

(۳) اگرچہ جناب موسیٰ کا سوال فی الحقیقت معصیت نہ تھا کیونکہ قوم نے آپ کو اوس پر مجبور کیا تھا اور بارگاہ ایزدی سے اس کی اجازت بھی مل گئی تھی لیکن فی نفسہ خداوند عالم کی رفعت شان کے مناسب نہ تھا نیز خود حضرت کلیمؑ کے تقرب اور عرفان کامل سے بہت بعید تھا خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو۔ اس لئے آپ نے "تبت الیک" فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ قوم کے اصرار نے مجھے جس نامناسب درخواست پر مجبور کیا تھا اس سے باز آ کر اپنے سابق عرفان و یقین کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بالجملہ انبیاء اور دیگر اہل عرفان کامل کی توبہ و انابت کو وجود معصیت کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کا کمال تذلل و خضوع اور شوق تقرب و انقطاع الی اللہ اون کو اپنے افعال و اقوال پر مطمئن نہ ہونے دیتا تھا۔ لہذا اپنی ہر حرکت و سکون کو قابل توبہ و استغفار سمجھتے تھے، اگرچہ اس میں مخالفت حق کا شائبہ بھی نہ تھا۔

(۴) "فلما تجلی ربہ للجبل" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند عالم نے اپنی نور ذات کا جلوہ دکھایا بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس نے اپنے ایک آیہ کو ظاہر فرمایا۔ نیز "للجبل" سے مراد اہل جبل ہیں جو اس وقت وہاں حاضر تھے

جس طرح آیہ "واسئل القریۃ" میں ایک قریہ مقصود ہے۔

افادہ در باب رویت ہم نے اس سے قبل بھی "لا تدرکہ الابصار" کے ذیل میں چند احادیث نقل کر دی ہیں جن سے معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے استحالہ رویۃ باری تعالیٰ کے ثابت کرنے میں محض دلائل نقلیہ پر اکتفا کیا ہے جن میں اثبات رویت کرنے والوں کی حقیقت بھی بالتصریح بیان کر دی گئی ہے اگر اہل علم ان پر نظر فرمائیں گے تو قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کے مطالب سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

(۱) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ اخبرنی عن اللہ عز وجل ہل یراہ المؤمنون یوم القیامۃ قال نعم وقد رأوہ قبل یوم القیامۃ فقلت متی قال حین قال لہم الست بربکم قالوا بلی ثم سکت ساعۃ ثم قال وان المؤمنین لیرونہ فی الدنیا قبل یوم القیامۃ الست تراہ فی وقتک ہذا قال ابو بصیر فقلت لہ جعلت فداک فاحدث بہذا عنک فقال لا فانک اذا حدثت بہ فانکرہ منکر جاہل بمعنی ما تقولہ ثم قدر ان ذلک تشبیہ کفر ولیست الرؤیۃ بالقلب کالرؤیۃ بالعین تعالی اللہ عما یصفہ المشبہون والملحدون

"ابو بصیر سے مروی ہے وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے کہا کہ مجھکو اللہ کے بارے میں خبر دیجئے کہ کیا اس کو مومنین بروز قیامت دیکھیں گے تو آپ نے فرمایا ہاں دیکھیں گے جبکہ انھوں نے اس کو روز قیامت سے پہلے بھی دیکھا ہے۔ میں نے کہا کہ کب دیکھا ہے تو فرمایا جب اس نے کہا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ ہاں ضرور ہے پھر آنحضرت تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا اور مومنین تو اس کو روز قیامت سے پہلے دنیا ہی میں دیکھیں گے کیا تو اس کو اس وقت نہیں دیکھ رہا ہے۔ ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں میں اسکو آپ کی طرف سے بیان کر دوں تو آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ جب تو اس کو بیان کرے گا تو جاہل منکر جو سنے گا تو کہے گا اس کا انکار کرے گا۔ پھر یقین کیا کہ یہ تشبیہ کفر ہے اور رویت قلبی رویت عینی کے مانند نہیں ہے۔ خدا اس وصف سے جو تشبیہ دینے والے کافر بیان کرتے ہیں بالا ہے۔"

(۲) عن ہشام قال کنت عند الصادق جعفر بن محمد علیہما السلام اذ دخل علیہ معاویۃ بن وہب وعبد الملک بن اعین فقال لہ معاویۃ بن وہب

"ہشام سے مروی ہے کہ میں امام صادق جعفر بن محمد علیہما السلام کے پاس تھا کہ ناگاہ معاویہ بن وہب اور عبد الملک بن اعین آنحضرت کے پاس آ گئے اور معاویہ بن وہب نے آنحضرت سے کہا کہ

یا ابن رسول اللہ ما تقول فی الخبر الذی روی ان رسول اللہ صلعم رأی ربہ علی ای صورۃ رآہ وعن الحدیث الذی رووہ ان المؤمنین یرون ربہم فی الجنۃ علی ای صورۃ یرونہ فتبسم علیہ السلام ثم قال یا معاویۃ ما اقبح بالرجل یاتی علیہ سبعون سنۃ او ثمانون سنۃ یعیش فی ملک اللہ ویاکل من نعمہ ثم لا یعرف اللہ حق معرفتہ ثم قال یا معاویۃ ان محمدا صلعم لم یر الرب تبارک وتعالی بمشاہدۃ العیان وان الرؤیۃ علی وجہین رؤیۃ القلب ورؤیۃ البصر فمن عنی برؤیۃ القلب فہو مصیب ومن عنی برؤیۃ البصر فقد کفر باللہ وبآیاتہ لقول رسول اللہ صلعم من شبہ اللہ بخلقہ فقد کفر ولقد حدثنی ابی عن ابیہ عن الحسین بن علی علیہما السلام قال سئل امیر المؤمنین فقیل یا اخا رسول اللہ ہل رأیت ربک فقال وکیف اعبد من لم اراہ لم تراہ العیون بمشاہدۃ العیان ولکن راتہ القلوب بحقائق الایمان۔

انتہی بقدر الحاجۃ

یا ابن رسول اللہ آپ اس خبر کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے پروردگار کو جس صورت سے بھی دیکھا دیکھ لیا اور اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ مومنین اپنے پروردگار کو جنت میں جس صورت سے بھی دیکھیں گے دیکھ لیں گے پس حضرت نے مسکرا کر فرمایا اے معاویہ کتنا برا ہے وہ شخص جس کو اللہ کے ملک میں رہتے ہوئے اور اس کی نعمتیں کھاتے ہوئے ستر یا اسی برس گذر گئے اور وہ اللہ کی معرفت جیسی ہونی چاہئے نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا اے معاویہ محمد صلعم نے بھی پروردگار کو بچشم ظاہر نہیں دیکھا۔ رویت کی دو قسمیں ہیں رویت قلبی اور رویت بصری جس نے رویت قلب مراد لی ہے وہ راستی پر ہے جس نے رویت بصر مراد لی ہے اس نے اللہ اور اس کی آیت کا انکار کیا۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دی اس نے کفر کیا۔ اور مجھ سے میرے باپ نے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے حسین بن علی علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین سے دریافت کیا گیا کہ اے برادر رسول خدا کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نہیں دیکھا اس کی عبادت کیسے کرتا ہوں اس کو آنکھیں بظاہر نہیں دیکھیں گی۔ لیکن قلوب اس کو حقائق ایمان کے ذریعہ سے دیکھیں گے۔"

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

"جو لوگ (خدا کی) زمین پر ناحق اکڑتے پھرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے بہت جلد پھیر دوں گا اور (میں کیا پھیروں گا خود ان کا دل ایسا سخت ہے کہ) اگر (دنیا جہان کے) سارے معجزے بھی دیکھ لیں تو بھی یہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور اگر سیدھا راستہ دیکھ بھی پائیں تو بھی اپنی راہ نہ پائیں گے۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں گے تو جھٹ پٹ اسکو اپنا طریقہ بنالیں گے یہ کجروی اس سبب سے ہوئی کہ ان لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلادیا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔"

(۱) پروردگار عالم نے بنی اسرائیل کو احکام توریت پر عمل کرنے کا حکم دینے کے بعد ان سے پہلے وعدہ فرمایا کہ ہم تمہیں عنقریب اون اقوام سابقہ کے ویران مواطن و منازل دکھائیں گے جو کفر و فسق کے سبب سے ہلاک کردی گئیں تاکہ ان سے عبرت حاصل کرو۔ پھر دوسرا وعدہ فرمایا کہ جو لوگ روئے زمین پر تکبر و غرور کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور جن کی دشمنی سے تمکو خوف لاحق رہتا ہے اون کو ہم جلد ہی ہلاک و برباد کردیں گے جس سے ہماری احکام کی تبلیغ و تعمیل میں رکاوٹ باقی نہ رہے گی اور تم اون کے شرور سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

(۲) ذالک بان کذبوا الخ کا تعلق "وان یروا کل آیۃ" الخ سے ہے اور محصل کلام یہ ہے کہ اون کفار متکبرین کی راہ راست سے روگردانی اور کج روی محض اس بات کا نتیجہ ہے کہ اونھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ہمیشہ اون کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ

اور موسےٰ کی قوم نے ان کے (کوہ طور پر) جانے کے بعد اپنے زیوروں سے (گلاکر) ایک بچھڑے کی مورت بنائی (یعنی) ایک جسم جس میں گائے کی سی آواز تھی۔

اس قصہ کے متعلق جتنی باتیں قابل تفصیل ہیں۔ وہ سورہ طہ کے حواشی میں عنقریب بیان کی جائیں گی۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا

ہمارا وعدہ پورا کرنے کو (کوہ طور پر) لے جانے کے واسطے موسےٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کو چنا۔

اس آیت میں اسی میقات کا ذکر ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ دنیا میں میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔ ایمان و کفر کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ لیکن آخرت میں ایسا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ اہل تقویٰ و ایمان کے لئے مخصوص کردی جائے گی۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ الْأُمِّيَّ يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ

جو لوگ ہمارے نبی اُمّی پیغمبر کے قدم بقدم چلتے ہیں جس (کی بشارت) کو اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلعم نے رسمی طور پر کسی اوستاد سے لکھنا پڑھنا کبھی نہیں سیکھا تھا اس لئے خداوند عالم نے آپ کو "اُمّی" کا لقب عطا فرمایا جس کے معنی ان پڑھ جاہل کے ہیں۔ لیکن تفاسیر معصومین میں اس کی دوسری وجہ بتائی گئی ہے جو ان حدیثوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

پہلی حدیث عن الباقر علیہ السلام انہ سأل لم سمی النبی الامی قال نسب الی مکۃ و ذلک من قول اللہ لتنذر ام القری و من حولہا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ نبی کو اُمّی کیوں کہا گیا ہے تو آنحضرت نے فرمایا کہ مکہ کی طرف منسوب ہیں اور اس پر دلیل قول خدا لتنذر ام القری و من حولہا ہے اور ام القری مکہ ہے۔

ام القری مکة فقیل امی لذلک۔

دوسری حدیث

عن الجواد علیہ السلام انہ سئل عن ذلک فقال مایقول الناس قیل یزعمون انہ سمی الامی لانہ لم یحسن ان یکتب فقال کذبوا علیہم لعنة اللہ انی ذلک واللہ یقول هو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمة فکیف کان یعلمہم مالا یحسن واللہ لقد کان رسول اللہ یقرء ویکتب باثنین وسبعین او قال بثلاث وسبعین لسانا وانما سمی الامی لانہ کان من اھل مکة ومکة من امھات القری وذلک قول اللہ عز وجل لتنذر ام القری ومن حولها۔

پس اسی وجہ سے حضرت امی کہے گئے۔ (یعنی ام القریٰ کی طرف منسوب ہونے سے آپ کا لقب امی ہوا)

امام محمد تقی علیہ السلام سے یہی سوال کیا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں، کہا گیا کہ ان کا خیال یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اسی لئے اُمّی کہتے ہیں کہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے پس آنجناب نے فرمایا وہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے۔ حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے هو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمة۔ پس جو خود نہیں جانتا وہ دوسروں کو کیسے سکھائے گا قسم بخدا رسولؐ بہتر یا تہتر زبانوں میں لکھتے پڑھتے تھے اور اُمّی اس لئے کہے گئے چونکہ آپ اہل مکہ سے تھے اور مکہ امہات القریٰ میں سے ہے اور اس پر قول خدا لتنذر ام القریٰ ومن حولها دلیل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم نے کسی انسان سے ملکۂ قرأت وکتابت کا اکتساب کبھی نہیں کیا تھا اور یہ امر آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے قوی ترین دلیل ہے کیونکہ یہ بات بالکل خلاف عادت ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے ایک دن بھی انسانی وسیلہ سے علوم رسمیہ کی تحصیل نہ کی ہو بغیر واسطہ وحی والہام تمام علوم اولین وآخرین کا مالک ہو جائے اور نفس انسانی کی تکمیل و تہذیب کے لئے ایسی جامع کتاب اور اتنی مکمل شریعت دنیا کے سامنے پیش کر سکے جن کے مقابلے میں جملہ حکمائے عالم کی تعلیمات محض بے حقیقت ٹھہریں لیکن یہ امر عقل سلیم کے نزدیک لائق قبول نہیں ہو سکتا کہ خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو محض اس وجہ سے کہ انسانی تعلیم کا اتفاق اس کو کبھی نہیں ہوا تھا مقام مدح میں "اُمّی" کا لقب عطا فرمایا ہو جس کے معنی "جاہل" کے ہیں اگر یہ امر مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اگر بجائے اُمّی کے جاہل کی لفظ وارد ہوتی تو وہ بھی مدح قرار پا سکتی تھی حالانکہ اس کو باور کرنے کی جرأت کوئی عاقل نہیں کر سکتا لہذا اس لفظ اُمّی کی وہی تفسیر حق ہے جو اقوال ائمہ معصومین سے مستفاد ہوتی ہے۔

ویضع عنہم اصرهم والاغلال التی کانت علیہم۔

اور وہ (سخت) احکام کا بوجھ جو ان کی گردن پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر

(پڑے ہوئے) تھے ان سے ہٹا دیتا ہے۔

"اصر" سے مراد تکالیف شدیدہ ہیں بوجہ شدت کے ان کو بار گراں سے تشبیہ دی ہے "اغلال" سے مقصود وہ عہود و مواثیق ہیں جو خدا نے بنی اسرائیل سے لئے تھے اور ان کا پورا کرنا بنی اسرائیل پر لازم تھا۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی مانگا تو ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنی چھڑی پتھر پر مارو۔

یہ سب واقعات سورۂ بقر میں بیان ہو چکے ہیں لہذا یہاں تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ

جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد سے یعنی پشتوں سے (باہر نکال کر) ان کی اولاد سے خود انھیں کے مقابلہ میں اقرار کرا لیا (پوچھا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب کے سب بولے ہاں ہم اس کے گواہ ہیں (یہ ہم نے اس لئے کیا کہ ایسا نہ ہو کہ (کہیں) تم قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے۔

جناب سید مرتضے علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں فرمایا ہے کہ

قد ظن بعض من لا بصیرة له ولا فطنة عنده ان تاویل هذه الآیة ان اللہ استخرج من ظهر آدم جمیع ذریته وهم فی خلق الذر فقررهم بمعرفته واشهدهم علی انفسهم وهذا التاویل مع ان العقل یبطله ویحیله مما یشهد ظاهر القرآن بخلافه لان اللہ تعالی قال واذ اخذ ربک من بنی آدم ولم یقل من آدم وقال من ظهورهم ولم یقل من ظهره وقال ذریاتهم

عقل و دانش سے عاری شخص کا گمان ہے کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ خدا نے آدم کی پشت سے ان کی تمام ذریت کو نکالا جبکہ وہ خلقت ذر میں تھے پس ان کو اپنی معرفت کرا دی۔ اور ان ہی کو ان کے نفوس پر گواہ بنایا اور اس تاویل کو عقل باطل کہتی ہے اور ظاہر قرآن بھی اس کے خلاف شہادت دیتا ہے کیونکہ خدا نے اذ اخذ ربک من بنی آدم فرمایا اور من آدم نہیں فرمایا اور من ظهورهم فرمایا من ظهره نہیں فرمایا اور

ولم يقل ذريته ثم اخبر تعالى بانه فعل ذلك لئلا
يقولوا انهم كانوا غافلين او يعتذروا بشرك آبائهم
وانهم نشؤا على دينهم وسنتهم وهذا يقتضي ان
الآية لم تتناول ولد آدم لصلبه وانها تناولت
من كان له آباء مشركون وهذا يدل على اختصاصها
ببعض ولد آدم فهذه شهادة الظاهر ببطلان
تاويله فاما شهادة العقل فمن حيث لا تخلو
هذه الذرية التي استخرجت من ان تكون من
ظهر آدم فخوطبت وقررت ان تكون كاملة العقل مستوفية
لشروط التكليف او لا تكون كاملة العقول مستوفية
لشروط التكليف فان كانت بالصفة الاولى
وجب ان يذكر هؤلاء بعد خلقهم وانشائهم و
اكمال عقولهم ما كانوا عليه في تلك الحال وما
قرروا به واستشهدوا عليه لان العاقل لا ينسى
ما يجري هذا المجرى وان بعد العهد وطال الزمان
ولهذا لا يجوز ان يتصرف احدنا في بلد من البلدان
وهو عاقل كامل فينسى مع بعد العهد جميع تصرفه
المتقدم وسائر احواله وليس ايضا لتخلل الموت
بين الحالين تاثير لانه لو كان تخلل الموت يزيل
الذكر لكان تخلل النوم والسكر والجنون والاغماء
من احوال العقلاء يزيل ذكرهم لما مضى من احوالهم
لان سائر ما عددناه مما ينفي العلوم يجري مجرى
الموت في هذا وليس لهم ان يقولوا اذا جاز في العاقل
الكامل ان ينسى ما كان عليه في حال الطفولية جاز ما
ذكرناه وذلك انا انما اوجبنا ذكر العقلاء لما ادعوا

خبر دیا فہم فرمایا یا ذریتہ نہیں فرمایا پھر یہ بھی بتا دیا کہ اس نے
اس کام کو اس لیے کیا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ غافل تھے
یا یہ معذرت کر سکیں کہ ان کے آباء مشرک تھے اور وہ ان
کے دین اور طریقہ پر پلے بڑھے ہیں اور یہ اس کو مقتضی ہے کہ
آیت آدم کے صلب کی اولاد کو مشتمل نہ ہو بلکہ ان لوگوں کو مشتمل
ہو جن کے آباء مشرک تھے اور یہ بعض اولاد آدم سے اختصاص
پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا خود ظاہر اس تاویل کے بطلان پر
شہادت دیتا ہے لیکن شہادت عقل پس اس طرح ہے کہ
وہ ذریت جن کو آدم کی پشت سے نکال کر خطاب کیا گیا ہے
دو حال سے خالی نہیں یا تو کامل العقل شرائط تکلیف کی حامل
ہوگی یا نہ ہوگی۔ پس اگر صفت اول پر ہوگی تو ضروری ہے کہ یہ لوگ
اپنے پیدا ہونے اور نشو نما پانے اور کامل العقل ہونے کے بعد اس
کو یاد رکھیں جس پر وہ سابق میں تھے اور اقرار کر چکے تھے اور
شہادت دے چکے تھے کیونکہ صاحب عقل بعد عہد اور طول زمان کے
باوجود ایسی باتوں کو نہیں بھولتا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی
شہر میں بحالت عقل متصرف رہے تو وہ اپنے اگلے تمام تصرفات
اور تمام احوال کو فراموش کر بیٹھے گا بلکہ دونوں حالتوں کے
مابین موت کے حائل ہونے کو کچھ دخل نہیں ہے کیونکہ اگر
موت کا درمیان میں ہونا یادداشت کو زائل کر دے تو
نیند اور نشہ اور جنون اور بیہوشی وغیرہ حالات ان کے
گزرے ہوئے حالات کی یاد مٹا دیں گے۔ کیونکہ ہماری
شمار کردہ تمام باتیں اس معنی پر جو منافی علم ہیں قائم مقام
موت ہیں۔

وہ لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عاقل کامل بچپنے کی باتوں
کو بھول جاتا ہے لہذا ذریت آدم کا بھول جانا بھی جائز ہے

اذا كملت عقولهم من حيث جرى عليهم وهم كاملوا العقول
ولو كانوا بصفة الاطفال في تلك الحال لم توجب عليهم
ما اوجبناه على ان تجويز النسيان عليهم ينقض الغرض
في الآية وذلك ان الله تعالى اخبرنا بانه انما
قررهم واشهدهم لئلا يدعوا يوم القيامة الغفلة
وسقوط الحجة عنهم فيه فاذا جاز نسيانهم له عاد
الامر الى سقوط الحجة وزوالها وان كانوا على الصفة
الثانية من فقد العقل وشرائط التكليف قبح خطابهم
وتقريرهم واشهادهم وصار ذلك عبثا قبيحا فان
قيل قد ابطلتم قول مخالفيكم فما تاويلها الصحيح عندكم
قلنا في الآية وجهان احدهما ان يكون تعالى انما عنى
بها جماعة من ذرية بني آدم خلقهم وبلغهم واكمل
عقولهم وقررهم على السن رسله عليهم بمعرفته و
ما يجب من طاعته فاقروا بذلك واشهدهم على
انفسهم لئلا يقولوا يوم القيامة انا كنا عن هذا
غافلين او يعتذروا بشرك آبائهم۔

والجواب الثاني انه تعالى لما خلقهم وركبهم تركيبا
يدل على معرفته ويشهد بقدرته ووجوب عبادته
واراهم العبر والآيات والدلائل في انفسهم وفي
غيرهم كان بمنزلة المشهد لهم على انفسهم وكانوا
في مشاهدة ذلك ومعرفته وظهوره فيهم على
الوجه الذي اراده الله تعالى وتعذر امتناعهم
منه وانفكاكهم من دلالته بمنزلة المقر المعترف وان
لم يكن هناك اشهاد ولا اعتراف على الحقيقة ويجري
ذلك مجرى قوله تعالى ثم استوى الى السماء وهي

کیونکہ اسی لیے ہم نے عقلاء کے یاد رکھنے کو ضروری کہا جبکہ ان
کا لحاظ کامل العقل ہونے کی صورت میں ہو اور اگر وہ اس
وقت بچوں کی صفت پر تھے تو ہماری پیش کردہ بات ان کے لیے
لازم نہیں ہے۔ پھر بھول کو جائز رکھنا آیت کی غرض کا ناقض ہے
اور وہ یہ ہے کہ خدا نے ہم کو خبر دی کہ ہم نے ان سے اقرار لیا
اور ان کو گواہ بنایا تاکہ قیامت کے روز وہ لوگ غفلت کے
مدعی نہ ہوں اور ان سے حجت ساقط نہ ہو پس جب ان کا بھول جانا
جائز ہے تو بات سقوط و زوال حجت کی طرف پلٹتی ہے۔ اور اگر
صفت ثانیہ یعنی عقل اور شرائط تکلیف کا ان میں اس وقت فقدان
تھا تو ان سے خطاب کرنا اور اقرار لینا اور گواہ بنانا قبیح اور
عبث ہوا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ تم نے اپنے مخالفین کا قول
باطل کر دیا لہذا تمہارے نزدیک اس آیت کی صحیح تاویل کیا ہے
تو ہم کہیں گے کہ آیت میں دو وجہیں ہیں ایک یہ ہے کہ خدا نے
آیت میں ذریت بنی آدم کی ایک ایسی جماعت مراد لی ہے جن کو
پیدا کیا اور بالغ اور کامل العقل بنایا اور اپنے پیغمبروں کو ان
کے پاس بھیج کر ان سے اپنی معرفت اور اپنی اطاعت کا اقرار لیا
پس انہوں نے اس کا اقرار کیا اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ
بنا لیا تاکہ قیامت کے روز وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس سے غافل
تھے یا اپنے آباء کے مشرک ہونے کی معذرت کریں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چونکہ ان کو پیدا کیا اور
ان کو ایسی ترکیب سے مرکب بنایا جو اس کی معرفت پر دلالت کرتا ہے
اور اس کی قدرت کی شہادت دیتا ہے اور اس کی عبادت کو واجب
کرتا ہے اور ان کو عبرتیں اور نشانیاں اور دلیلیں خود ان میں اور ان
کے غیروں میں دکھانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کو ان کے نفسوں پر گواہ
بنانا ہے اور وہ لوگ اپنے اندر اس کے ظاہر ہونے اور

دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا
اتینا طائعین وان لم یکن منه ثم قول علی الحقیقة
ولا منهما جواب ومثله قوله ثم شاھدین علی انفسهم
بالکفر ونحن نعلم ان الکفار لم یعترفوا بالکفر بالسنتهم
وانما ذلک لما ظهر منهم ظهوراً لا یتمکنون من دفعه کانوا
بمنزلة المعترفین به ومثل ھذا قولهم
جوارحی تشهد بنعمتک وحالی معترفة
باحسانک وما روی عن بعض الحکماء من قوله
سل الارض من شق انهارک وغرس اشجارک
وجنی ثمارک فان لم تجبک حواراً اجابتک
اعتباراً وھذا باب کبیر وله نظائر کثیرة
فی النظم والنثر یغنی عن ذکر جمیعها القدر
الذی ذکرناه منها ۔

پہنچاننے اور مشاہدہ کرنے میں ایسی حالت پر تھے جس کا خدائے تعالیٰ ا
ان سے ارادہ فرمایا ہے اور ان کا اس رہنمائی سے جدا ہونا اور باز
ایسا ہو گیا کہ ان کے اقرار و اعتراف کرنے کے برابر ہو گیا گو
یہاں پر انہوں نے اعتراف یا شہادت نہیں دی
اور یہ ایسا ہی ہے جیسے قول باری تعالیٰ ۔ پھر وہ آسمان کی طرف
متوجہ ہوا درانحالیکہ وہ دھواں تھا پس اس سے اور زمین
سے کہا کہ تم دونوں تابعدارانہ و مجبور بن کر آؤ ان دونوں نے کہا کہ ہم
دونوں اطاعت گذار بن کر آ گئے ۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ
نہ یہ واقعاً ارشاد ہوا اور نہ ان دونوں کا جواب ملا اور اسی
طرح اسی کا یہ قول ۔ درانحالیکہ وہ لوگ اپنے نفسوں پر کفر کی
شہادت دینے والے ہیں ۔ حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ کفار
اپنی زبان سے کفر کا اعتراف نہیں کیا مگر جب یہ امر ان سے ا
طرح ظاہر ہو گئی کہ وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے تو وہ بمنزلہ
کے ہو گئے اسی طرح ہے ان کا قول ۔ میرے اعضا تیری نعمت
کی گواہی دیتے ہیں اور میری حالت تیرے احسان کی معترف ہے
اور ایک حکیم کا قول مروی ہے کہ یہ زمین سے اس کی نہروں کے
شق کرنے ، اور درختوں کے نصب کرنے اور پھلوں کے
توڑنے کو پوچھ لے پس اگر وہ تجھ کو کلام سے جواب نہ
دے گی تو جواب اعتباری دے گی ۔ یہ ایک طویل باب
ہے اور اس کی مثالیں نظم و نثر میں بکثرت پائی جاتی ہیں
یہاں پر جتنا ہم نے بیان کیا وہ کل کے بیان سے مستغنی کرتا

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ

اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔

اور (اے رسولؐ) تم ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان نے اس کا پیچھا پکڑا اور آخرکار وہ گمراہ ہو گیا اگر ہم چاہتے تو اسے انھیں آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے مگر وہ تو خود ہی پستی کی طرف جھک پڑا اور اپنی نفسانی خواہش کا تابع دار بن بیٹھا تو اس کی مثل اس کتے کی مثل ہے کہ اگر اس کو دھتکار دو تو بھی زبان نکالے رہے ۔ اور اس کو چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے ۔

اس آیت کے متعلق چند باتیں یہاں قابل ذکر ہیں ۔

(۱) حضرت موسیٰؑ کے عہد میں بلعم باعور نامی ایک شخص تھا جو دین الٰہی کا عالم اور حجج و آیات کا عارف تھا مگر اس نے خواہش نفسانی کی پیروی میں دین حق کو چھوڑ کر کفر و ضلالت کی راہ اختیار کی اوسی کے واقعہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

(۲) "لو شئنا لرفعناہ بھا" کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اپنی قدرت سے اس کو کافر و عاصی بننے سے بعض رکھتے اور جو علم و معرفت وہ رکھتا تھا اس کو رفعت درجات کا وسیلہ بنا دیتے مگر ایسا کرنا شرائط تکلیف کے خلاف تھا لہذا اوسکو مومن رہنے پر مجبور نہیں کیا ۔

(۳) محصل تمثیل یہ ہے کہ جو شخص حریص گمراہ اور سگ دنیا بن گیا ہو اوسکی حرص کسی حالت میں کم نہیں ہوتی خواہ اس کو وعظ و نصیحت کی جائے یا اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے بہرصورت وہ حرص و ضلالت سے بعض نہیں آ سکتا کیونکہ نفسانی خواہشوں کا حکم اوس کی عقل پر غالب آچکا ہے اور یہ بری خصلتیں اوس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہیں ۔ لہذا اوسکی مثال ایسے کتے کی ہے جو زبان نکالے رہنے کی عادت رکھتا ہو خواہ اوسکو دھتکار دو یا اوسکی حالت پر چھوڑ دو بہرصورت وہ اپنی عادت ہی پر باقی رہے گا ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اور اچھے (اچھے) نام خدا ہی کے خاص ہیں تم اسے انھیں ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو اور وہ بہت جلد اپنے کرتوت کی سزا پائیں گے ۔

کفار دو صورتوں سے اسمائے الٰہیہ میں الحاد کرتے تھے ایک تو یہ کہ اوسکے ناموں میں تھوڑا تغیر دیکر بتوں کا نام رکھ لیتے تھے مثلاً الله سے لات اور عزیز سے عزیٰ امشتق کر لیا تھا۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ خدا کی طرف ایسے ناموں کو منسوب کرتے تھے جو اوسکے مناسب شان نہ تھے اور جن کی اجازت اوسکی طرف سے نہیں دی گئی تھی۔ ایک حدیث طویل میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا ہے۔

ولله الاسماء الحسنى التى لا يسمى بها غيره وهى التى وصفها فى الكتاب فقال فادعوه بها وذروا الذين يلحدون فى اسمائه جهلا بغير علم فالذى يلحد فى اسمائه بغير علم يشرك وهو لا يعلم ويكفر به وهو يظن انه يحسن۔

اس (خدا) کے لئے ایسے اچھے نام ہیں جن سے اس کا غیر موسوم نہیں ہے یہ وہ ہیں جن کو اس نے کتاب (قرآن) میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو انھیں ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں بغیر سمجھے کجروی کرتے ہیں پس جو اس کے ناموں میں بے سمجھے الحاد کرتا ہے وہ بے سمجھے شرک کرتا ہے اور کفر کرتا ہے اس گمان میں کہ وہ ٹھیک کر رہا ہے۔

نیز اصول کافی میں جناب امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔

ان الله لا يوصف الا بما وصف به نفسه وانّٰى يوصف الذى تعجز الحواس ان تدركه والاوهام ان تناله والخطرات ان تحده والابصار عن الاحاطة به جل عما يصفه الواصفون۔

بیشک خدا کو اسی صفت سے متصف کیا جا سکتا ہے جس سے اس نے خود کو متصف کیا ہے اور اس ذات کا کیسے وصف بیان کیا جا سکتا ہے جس کے ادراک کرنے سے حواس خمسہ اور جسکو دریافت کرنے سے اوہام اور جسکی حد بندی سے خیالات اور اسکا احاطہ کرنے سے آنکھیں لاچار ہیں وہ اس صفت سے بالاتر ہے جو بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ

اور ہماری مخلوقات سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق ہی (حق) انصاف بھی کرتے ہیں۔

مشکوۃ میں یہ حدیث مروی ہے۔

عن ثوبان مولى رسول الله صلعم قال سمعت رسول الله صلعم يقول لا تزال من امتى امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى ياتى امر الله على الناس متفق عليه۔

رسول خدا کے غلام ثوبان سے مروی ہے، اس نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا صلعم کو بیان کرتے سنا ہے: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم کو قائم کرنیوالا رہے گا اس گروہ کو چھوڑ دینے والا اور اسکی مخالفت کرنیوالا اسے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گا تا اینکہ لوگوں تک حکم خدا آجائے۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

اس طرح کی حدیثیں ترمذی وغیرہ کتب معتبرہ میں بھی مروی ہیں۔

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝

"اور میں انھیں (دنیا میں) ڈھیل دوں گا۔ بے شک میری تدبیر (پختہ اور) مضبوط ہے"۔

جو نعمات کفار کو عطا کی جاتی ہیں وہ بظاہر تو تفضل و احسان الٰہی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت سراسر غضب وخذلان کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے اون کو "کید" سے تعبیر فرمایا۔ اور مقصود اس سے اہل ایمان کو یہ بتانا ہے کہ اگر اہل کفر و معصیت کو خوشحالی اور فارغ البالی میں مدت دراز تک زندگی بسر کرتے دیکھیں تو یہ نہ سمجھیں کہ تاخیر عقوبت سے تفضل و احسان مقصود ہے بلکہ یہ بھی غضب الٰہی کی دوسری صورت ہے۔ اسی طرح جابجا یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ اہل ایمان کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنے کی غرض امتحان و ابتلا ہے تاکہ بقدر صبر و ثبات قدم اون کے مدارج بلند کئے جائیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس آیت کے مطلب کو ان کلمات میں واضح فرمایا ہے:۔

كم من مستدرج بالاحسان اليه ومغرور بالستر عليه ومفتون بحسن القول فيه وما ابتلى الله احداً بمثل الاملاء له (نہج البلاغہ)

"بہت سے لوگوں کو نیک سلوک سے عذاب مہلت میں مبتلا کر رکھا ہے اور بہت سے پردہ پوشی کی وجہ سے دھوکے میں پڑے ہیں۔ اور اپنے متعلق اچھی گفتگو کی وجہ سے فریب خوردہ ہیں اور مہلت دینے سے بڑھ کر اللہ نے اور کسی چیز سے امتحان نہیں لیا۔"

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۝

"اور اگر (بغیر خدا کے بتائے) غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا۔ اور مجھے کبھی کوئی تکلیف بھی نہ پہونچتی"۔

اس کلام سے جس کو بحکم الٰہی آنحضرت صلعم نے فرمایا فقط اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ آپ بذات خود عالم الغیب نہ تھے بلکہ تعلیم الٰہی کے محتاج تھے، اور یہ بالکل مطابق واقع ہے کیونکہ کوئی شخص خواہ وہ نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو علم ذاتی سے متصف نہیں ہو سکتا۔ یہ صفت ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہا یہ امر کہ حضرتؐ بواسطہ تعلیم الٰہی بھی امور غیبیہ پر مطلع نہ ہوتے تھے تو اس آیت کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بالکل واقع کے خلاف ہے کیونکہ بے شمار اخبار غیبیہ آنحضرت صلعم سے کتب احادیث میں مروی ہیں۔ اور ان میں سے چند اخبار غیب ساتویں پارہ کے حواشی میں نقل

کردی گئی ہیں۔ اُن کے علاوہ حضرت کی غیب دانی پر وہ اخبار غیب بھی شاہد ہیں جن کو مختلف اوقات امیرالمومنین علیہ السلام نے بیان فرمایا تھا۔ (اور نہج البلاغۃ وغیرہ کتب علمائے اسلام میں منقول ہیں) کیونکہ آپ اُن پر آنحضرتؐ ہی کی تعلیم سے مطلع ہوئے تھے۔ اور کبھی کبھی صاف لفظوں میں اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔

چنانچہ جس وقت آپ نے قوم تتار کے اوصاف بیان فرمائے تو بعض اصحاب نے متحیر ہو کر یہ کہا کہ "آپ کو علم غیب حاصل ہے"۔ اس کلام پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا:—

یا اخا کلیب لیس ھو بعلم غیب وانما ھو تعلم من ذی علم وانما علم الغیب علم الساعۃ وما عددہ اللہ بقولہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ۔ فیعلم سبحانہ ما فی الارحام من ذکر او انثی وقبیح او جمیل وسخی او بخیل وشقی او سعید ومن یکون فی النار حطبا او فی الجنان للنبیین مرافقا فھذا علم الغیب الذی لا یعلمہ احد الا اللہ وما سوی ذلک فعلم علمہ اللہ نبیہ فعلمنیہ ودعا لی بان یعیہ صدری وتضطم علیہ جوانحی۔

(دیکھو نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۲)

"اے کلیب کے بھائی یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو صرف ایک علم والے سے تعلیم پانا ہے۔ علم غیب تو قیامت کا علم ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ کی آیت میں شمار کی ہوئی چیزوں کا علم ہے جیسے رحم کے اندر خدا ہی جانتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ خوبصورت ہے یا بدصورت سخی ہے یا بخیل۔ نافرمان ہے یا فرمانبردار۔ جہنم کا ایندھن ہوگا یا جنت میں انبیاءؑ کا رفیق ہوگا۔ پس وہ سب نبیؐ نے مجھکو تعلیم کیا اور مجھکو دعا دی ہے کہ وہ میرے سینے میں محفوظ رہے اور میری پسلیاں (جسم) اسکی حامل ہیں۔"

هُوَ الَّذِی خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ إِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُونَنَّ مِنَ الشَّاکِرِینَ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَکَاءَ فِیمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا یُشْرِکُونَ ۵

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے تمکو ایک شخص (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اس کی (بچی ہوئی مٹی سے) اس کا جوڑا بھی

بنا ڈالا تاکہ ساتھ رہے سہے۔ پھر جب انسان اپنی بی بی سے ہمبستری کرتا ہے تو بی بی ایک ہلکے سے حمل سے حاملہ ہو جاتی ہے۔ پھر اُسے لئے چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب وہ (زیادہ دن ہونے سے) بوجھل ہو جاتی ہے۔ تو دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے تو ہمیں تندرست فرزند عطا فرمائے۔ تو ہم ضرور تیرے شکر گذار ہوں گے پھر جب خدا نے ان کو (فرزند) صالح عطا فرما دیا۔ تو خدا نے انھیں عطا کیا تھا لگے اس میں خدا کا شریک بنانے تو خدا (کی شان) شرک سے بہت اونچی ہے۔"

اس آیت کی حقیقی تاویل جناب امام علیؑ رضا علیہ السلام نے مامون رشید کے سوال کے جواب میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے:—

عن الرضا علیہ السلام انہ قال لہ المامون یابن رسول اللہ صلعم الیس من قولک الانبیاء معصومین قال بلی قال فما معنی قول اللہ عزوجل فلما آتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتاھما فقال لہ الرضا علیہ السلام ان حوا ولدت لآدم خمس مائۃ بطن فی کل بطن ذکرا وانثی وان آدم وحوا عاھدا اللہ تعالی ودعواہ وقالا لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین فلما آتاھما من النسل خلقا سویا بریا من الزمانۃ والعاھۃ کان ما آتاھما صنفین صنفا ذکرانا وصنفا اناثا فجعل الصنفان للہ سبحانہ شرکاء فیما آتاھما ولم یشکراہ کشکر ابویھما لہ عزوجل قال عزوجل فتعالی اللہ عما یشرکون۔

"امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنحضرتؑ سے مامون نے کہا یابن رسول اللہ صلعم کیا آپکا یہ قول نہیں ہے کہ انبیاء معصوم ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ اس نے کہا کہ خدا کے قول فلما آتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتاھما کے کیا معنی ہیں تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حوا کے آدمؑ سے پانچ سو حمل ہوئے۔ ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ اور آدم و حوا نے خدا سے عہد کیا اور دعا کی کہ اگر تو ہمکو تندرست اولاد دے گا تو ہم شکر گذاری کریں گے۔ پس جب ان کو صحیح و سالم نسل دی گئی جو عیب سے پاک تھی تو اس کی دو قسمیں قرار پائیں۔ ایک قسم مردوں کی اور ایک قسم عورتوں کی۔ ان دونوں قسموں نے خدا سے جو نعمتیں پائی تھیں ان میں اوروں کو بھی خدا کا شریک بنا لیا۔ اور اپنے والدین کی طرح اس عزت اور بزرگی والے خدا کا شکر ادا نہ کیا۔ اسی سے خدا نے فرمایا کہ جن چیزوں کو لوگ شریک بناتے ہیں اللہ کی ذات اُن سے بلند ہے۔"

اس روایت سے چند باتیں ظاہر ہوئیں:—

(اول) "آتاهما صالحاً" سے مراد یہ ہے کہ جسمانی حیثیت سے تام الخلقت اور صحیح و تندرست اولاد عطا کی دینی اعتبار سے صالح ہونا مقصود نہیں ہے۔

(دوم) "جعلا" کی ضمیر اولاد آدمؑ کی طرف راجع ہے چونکہ اون کی دو صنفیں تھیں اس لئے ضمیر تثنیہ لائی گئی

(سوم) "فیما آتاهما" میں وہ نعمات عامہ مراد ہیں جو اولاد آدم میں ہر صنف کو خداوند عالم نے عطا فرمائی اور محصل کلام یہ ہے کہ ہم نے جو نعمتیں اولاد آدم کو عطا کیں اون کو وہ اپنے فرضی معبودوں کی طرف منسوب کرنے لگے۔

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ "کہدو تم اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو بلاؤ۔ پھر سب مل کر مجھ پر داؤں چلو پھر مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھو تو وہ میرا کیا بنا سکتے ہیں"۔

جب آنحضرت صلعم بتوں کی مذمت اور اون کی پرستش کی قباحت بیان فرماتے تو کفار کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کی برائیاں بیان کرنے سے باز رہو ورنہ اون کیطرف سے کوئی مصیبت تم پر آجائے گی۔ اس آیت میں کفار کے اسی کلام کا جواب دیا گیا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ "(اے رسولؐ) تم درگذر اختیار کرو۔ اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو"

حدیث نبوی کا مضمون ہے، ثلث من لم تکن فیہ فلیس منی ولا من اللہ عز وجل حلم یرد بہ جهل الجاهل وحسن الخلق یعیش بہ فی الناس و ورع یحجزہ عن معاصی اللہ۔ "تین باتیں جن میں نہ ہوں گی اس کا نہ مجھ سے کوئی ربط ہے نہ خدا سے ایسا حلم جو جاہلوں کی جہالت کو روک سکے۔ ایسا خلق ہو جس سے لوگوں میں زندگی بسر کر سکے۔ اور ایسی پرہیزگاری ہو جو معصیت خدا سے مانع ہو۔

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

"اور اگر شیطان کی طرف سے تمہاری (امت کے دل میں) کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو تم خدا سے پناہ مانگو۔ بیشک وہ بڑا سننے والا اور واقف کار ہے۔"

اگرچہ اس آیت میں خداوند عالم نے آنحضرت صلعم کو مخاطب قرار دیا ہے۔ مگر اصل مقصود دیگر مکلفین کی تادیب و تعلیم ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم نے متعدد آیات کی ذیل میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ ان میں خداوند عالم کی طرف سے بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے کیا گیا ہے لیکن درحقیقت مقصود اس سے امت کی تعلیم و تنبیہ ہے پس اس آیت کے اسلوب کو بھی انھیں آیات پر قیاس کرنا چاہئے۔

نیز اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جن آیات میں آنحضرت صلعم کی طرف وسوسہ شیطانی یا وقوع شرک کی صورت میں حبط اعمال کی نسبت دی گئی۔ یا کسی خطا و معصیت کا صدور اور اوس کی معافی کا ذکر ہے۔ یا عتاب آمیز الفاظ میں خطاب کیا گیا ہے۔ وہ سب کی سب نہایت واضح طور سے یہ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ آنحضرتؐ کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ جس شخص کا مطمح نظر یہ ہو کہ جعلسازی کے ذریعے عزت و وجاہت حاصل کرے اور اپنے تقدس و تقرب الی اللہ کا سکہ قلوب پر بٹھائے وہ دنیا کے سامنے ایسے کلمات پیش نہیں کر سکتا۔ جس سے اس کے مقصود کو صدمہ پہنچتا ہو۔

سُورَۃُ انفال

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۝ "(اے رسولؐ) تم سے لوگ انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں تو تم کہدو کہ انفال مخصوص خدا اور رسولؐ خدا کے واسطے ہے تو خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو۔"

اس آیۂ مبارکہ کی بابت دو باتیں یہاں قابل تفصیل ہیں۔

(۱) "انفال" عرف میں مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ اور یہی اس آیۂ مبارکہ میں مراد ہے۔ اس کے علاوہ شرعاً کئی طرح کے اموال اور جائدادوں کو انفال قرار دیا گیا ہے اور وہ سب نبیؐ و امامؑ کا مخصوص حق ہیں۔ ان کی تفصیل کتب فقہیہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۲) اس آیت کے سبب نزول کی بابت مفسرین کے اقوال مختلف ہیں اور ان کی بنا روایات مختلفہ پر ہے جن میں سے ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے جو اقوال معصومینؑ سے بہت کچھ مطابقت رکھتی ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال لما هزم الله العدو یوم بدر اتبعتهم طائفة یقتلونهم واحدقت طائفة برسول الله علیه السلام واستولت طائفة علی العسکر والنهب فلما نفی الله العدو ورجع الذین طلبوهم قالوا لنا النفل نحن طلبنا العدو وبنا نفاهم وهزمهم وقال الذین احدقوا برسول الله صلعم والله ما انتم باحق به منا نحن احدقنا برسول الله صلعم لا ینال العدو منه غرة فهو لنا وقال الذین استولوا علی العسکر والنهب والله ما انتم باحق به منا نحن اخذناه واستولینا علیه فهو لنا فانزل الله تعالی یسألونک عن الانفال فقسمه رسول الله صلعم بالسویة — (اسباب النزول واحدی ص ۱۷۲)

"عبادہ بن صامت سے مروی ہے اس نے کہا کہ جب جنگ بدر میں دشمن نے شکست کھائی اور ایک گروہ نے ان کو قتل کرنے کے لئے ان کا پیچھا کیا اور ایک گروہ نے رسول خدا کی حفاظت کی اور ایک گروہ لشکر اور سامان کی لوٹ میں مصروف ہوا غرضکہ جب خدا نے دشمن کو بھگا دیا تو ان کا پیچھا کرنے والوں نے کہا کہ لوٹ کا مال ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے دشمن کا اچھا تعاقب کیا اور خدا نے ہمارے ذریعہ سے ان کو بھگایا۔ اور شکست دی اس وقت رسولخدا کی حفاظت کرنے والوں نے کہا کہ تم ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو ہم نے رسولؐ خدا کی حفاظت کی تاکہ دشمن آنحضرتؐ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکے یہ ہمارا حق ہے تو وہ لوگ جو لشکر اور اسباب پر غالب آئے تھے انھوں نے کہا کہ بخدا تم لوگ ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو ہم نے اس کو حاصل کیا ہے اور ہم اس پر غالب آئے ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارا حق ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یسئلونک عن الانفال نازل فرمایا تو اس کو رسولخداؐ نے سبکو برابر برابر تقسیم فرمایا۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر کے مال غنیمت کے متعلق مجاہدین کے درمیان نزاع واقع ہو گئی۔ لہٰذا اسکو قطع کرنے کے لئے خداوند عالم نے فرمایا کہ مال غنیمت دراصل خدا و رسولؐ کا حق ہوتا ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا مناسب سمجھیں عطا فرمائیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۵

"(یہ مال غنیمت کا جھگڑا ویسا ہی ہے) جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں بالکل ٹھیک (مصلحت سے) تمہارے گھر سے (جنگ بدر میں) نکالا تھا۔ اور دین کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا"

اس آیت کے متعلق چند امور کا درج کرنا ضروری ہے۔

(۱) ہم اس کے قبل جہاد کی حکمت و مصلحت سے مفصل طور پر بحث کر آئے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ اگرچہ احقاق حق اور ابطال باطل کے وسائل میں ایک وسیلہ جہاد بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بانی اسلام نے بحکم الٰہی اپنی شریعت کی اشاعت ...... کی بنیاد جبر و تشدد یا جہاد و قتال پر نہیں رکھی۔ بلکہ عفو و کرم، لطف و مدارات، حکمت بالغہ و موعظہ حسنہ کو مدار تبلیغ و دعوت بنایا۔ اور کسی وقت میں بھی اس طریقہ کو نہیں چھوڑا۔ البتہ دین اور اس کے تابعین کی کمزور جماعت کو ان شوریدہ سر مفسدین کے شرور سے محفوظ رکھنا بھی نہایت ضروری فرض تھا۔ جن کی طبائع سے استعداد خیر بالکل زائل ہو چکی تھی اور جن کو رات دن یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ نہ صرف شجرۂ اسلام کی روز افزوں نشو و نما کو روک دیا جائے بلکہ جس طرح بن پڑے اس کی پوری بیخکنی کر دی جائے اور اس کے لئے ابتدائے ظہور اسلام سے اس وقت تک کہ ابھی پورا غلبہ مسلمین کو حاصل نہیں ہوا تھا جو انفرادی و اجتماعی خفیہ و علانیہ کوششیں کفار قریش اور قبائل یہود کی طرف سے کی گئیں وہ کتب تواریخ و سیر کے پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔ لہٰذا شدید ترین احتیاج اس کی تھی کہ جہاد بالسیف کے ذریعے اسلام و مسلمین کا تحفظ کیا جائے اور وہ عناصر فنا کر دیئے جائیں جو اپنی فطری بے اعتدالی سے ان کی باامن و اطمینان ترقی میں مانع ہو رہے تھے۔ اس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا کہ کسی قوم کی بقا اور دینی و دنیوی ترقی کے لئے فتنہ انگیز ہستیوں کو مغلوب یا فنا کر دینا اتنا ہی ضروری ہے جتنا حفظ صحت و اعتدال مزاج کے لئے اخلاط فاسدہ و مواد ردیہ کو دفع کر دینا۔

اس امر کا ثبوت کہ غزوات رسولؐ سے محض دفع شر مقصود تھا نہ کہ بجور و تعدی اتباع ملت اسلام پر مجبور کرنا۔ ان آیات و احادیث نبویؐ سے مل سکتا ہے جو سورۂ آل عمران کے حواشی میں نقل کی جا چکی ہیں۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں غزوہ بدر کے جو کچھ واقعات مندرج ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قافلہ کفار قریش کا جس کے سردار ابو سفیان وغیرہ تھے شام سے مال تجارت لئے جا رہا تھا۔ یہ خبر آنحضرتؐ صلعم کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی اور خداوند کریم کی طرف سے حکم جہاد دیا گیا تو آپ نے اپنے اصحاب کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ادھر ابو سفیان کے جاسوس نے اس کی خبر پہونچا دی اور اس نے خائف ہو کر ایک شخص کو جس کا نام ضمضم بن عمرو الغفاری تھا۔ بہ تعجیل مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ قافلہ پر حملہ کئے جانے کی خبر قریش کو پہونچا دے۔ جب یہ خبر مکہ میں پہونچی تو ایک ہل چل پڑ گئی۔ ہر شخص قریش کا جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک بڑا لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ ادھر ابو سفیان نے چالاکی سے مشہور راستہ چھوڑ دیا۔ اور کسی دوسری راہ سے مکہ کو چلدیا۔ اور جب یہ دیکھا کہ اب اس کے قافلہ کو مسلمانوں کے حملہ کا کوئی ڈر

باقی نہیں رہا تو ایک قاصد کی زبانی قریش کے لشکر کو یہ پیام بھیجا کہ تم لوگ اپنے جس قافلہ کی مدد کے لئے نکلے ہو وہ بخیریت خطرہ کے مقام سے نکل آیا - لہذا اب واپس آجاؤ - لیکن ابوجہل نے یہ رائے دی کہ واپس نہ ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہے کہ ہم مقام بدر پر پہنچکر تین دن عیش و عشرت میں بسر کریں، تاکہ ہماری شوکت و حشمت کی دھاک تمام عرب پر بیٹھ جائے اس رائے سے سب نے اتفاق کیا - اور وہ لوگ مقام بدر پر پہونچے - ادھر مسلمانوں کو جو قافلہ تجارت کی تلاش میں آرہے تھے - قریش کی جمعیت اور ساز و سامان کی کثرت کی خبر معلوم ہوئی تو بہت گھبرائے - کیونکہ اون کی تعداد بہت کم تھی - اون کے اضطراب کو دیکھکر آنحضرت صلعم نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے اور غرض اس مشورہ کی یہ تھی کہ لوگوں کے ارادے اور قلبی کیفیات ظاہر ہو جائیں - چنانچہ حضرات ابوبکر و عمر وغیرہما نے یہی رائے دی کہ قریش سے جنگ کرنا مناسب نہیں کیونکہ قریش کی شوکت و قوت بہت زیادہ ہے - لیکن مقداد اور سعد بن معاذ نے پختہ ارادے کے ساتھ یہ عرض کی کہ ہم فقط آپکے تابع فرمان ہیں - اگر دریا میں کود پڑنے کا بھی حکم ہو تو بے تامل اس کی تعمیل کریں گے - حضرت اون کے اس کلام سے مسرور ہوئے - اور فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قریش کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت سے ہماری مڈبھیڑ ضرور ہوگی - اور ہم غالب آئیں گے - چنانچہ میں وہ جگہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جہاں کفار قریش کی لاشیں خاک و خون میں لوٹتی ہوں گی - یہ فرما کر آپ نے روانہ ہو جانے کا حکم دیا - یہانتک کہ مقام بدر پر پہونچے اور دونوں لشکر صف آرا ہو گئے - اور فرشتوں کا لشکر بھی اہل اسلام کی مدد کے لئے آپہونچا - نتیجہ یہ نکلا کہ کفار کو شکست فاش ہوئی اور قریش کے اکثر سردار لڑائی میں کام آئے - منجملہ اون کے ابوجہل بھی تھا - ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے

وقد عرفت ان اعظم غزاة غزاها رسول اللہ صلعم واشدها نکایة فی المشرکین بدر الکبری قتل فیها سبعون من المشرکین قتل علی علیہ السلام نصفهم وقتل المسلمون والملائکة النصف الآخر واذا رجعت الی مغازی محمد بن عمر الواقدی وتاریخ الاشراف لیحیی بن جابر البلاذری وغیرهما علمت صحة ذلک - یعنی تم نے جان لیا کہ غزوات رسولؐ میں سب سے بڑی - اور مشرکین کی تباہی کے لحاظ سے شدید ترین جنگ بدرؑ کی تھی - اس میں مشرکین کے ستر آدمی کام آئے جن میں نصف کو تنہا علی بن ابیطالب علیہ السلام نے قتل کیا تھا - اور باقی نصف کے قتل میں اہل اسلام اور ملائکہ شریک تھے - اور جب تم محمد بن عمر الواقدی کی کتاب مغازی اور یحیی بن جابر البلاذری کی تاریخ الاشراف اور دیگر کتب تواریخ کی طرف رجوع کرو گے تو اس بیان کی صحت تم کو معلوم ہو جائے گی - (دیکھو شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اول ص...)

(۳) ہجرت سے قبل مکہ میں خداوند عالم نے یہ آیت ام یقولون نحن جمیع منتصر سیهزم الجمع ویولون الدبر

نازل فرما کر کفار قریش کو جنگ بدر کی ہزیمت کی خبر دی تھی جو برسوں کے بعد واقع ہوئی - لہذا یہ پیشین گوئی اور اوس کا بالکل مطابق واقع ثابت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کسی عالم الغیب کا کلام ہے - اور ظاہر ہے کہ انسانی علم حوادث مستقبلہ و امور غیبیہ پر محیط نہیں ہو سکتا -

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ

"یہ وہ وقت تھا جب خدا اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لئے تم پر نیند کو غالب کر رہا تھا - اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا - تاکہ اس سے تمہیں پاک و پاکیزہ کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دفع کر دے اور تمہارے دل کو مضبوط کر دے اور تمہارے قدم (اچھی طرح) جمائے رہے"

کفار قریش نے پہلے ہی سے پہنچکر تالاب کے کنارے خیمے ڈال دیئے تھے - اس لئے مسلمانوں کو ایسے میدان میں ٹھہرنا پڑا جہاں ریت بہت گہری تھی - اور چلنے میں پاؤں دھنس جاتے تھے اوس پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاس کی شدت بھی ہوئی - غرض تمام اسباب خوف و تردد کے اجتماع نے اون کو نہایت پریشان خاطر کر دیا اس وقت خدا نے رفع تردد و خوف کے لئے اون پر نیند کو مسلط کر دیا - اور سب کے سب آرام و چین سے سو گئے - اس سے اتنا تو ہوا کہ سفر کا تعب اور دشمن کا خوف اور پیاس کی شدت زائل ہو گئی - مگر دوسری مصیبت شیطانی یہ پیش آئی کہ اکثر لوگ محتلم ہو گئے جس سے سخت تردد کا سامنا ہوا کہ طہارت کے ساتھ نماز کیونکر ادا کی جائے - ان تمام مصائب کے اجتماع کے وقت میں شیطان کو یہ وسوسہ دلانے کا کافی موقع تھا کہ جب تم اتنی مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آخر خدا کا وعدۂ نصرت کیا ہوا - اور تمہارا یہ خیال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ تم خدا کے ولی اور محمدؐ اس کے رسولؐ ہیں؟ ابھی یہ خیالات پریشان دماغوں میں گردش کر رہے تھے کہ آسمان میں ابر اٹھا اور اتنا پانی برسا کہ مسلمانوں کی تمام ضرورتوں کو کافی ہو گیا - اور ریت بھی جم گئی - برخلاف اس کے کفار جس مقام پر خیمہ زن تھے، وہاں ریت نہ تھی اس لئے پانی برسنے سے زمین کیچڑ بن گئی - اور ان کو چلنے میں سخت دشواری پیش آئی -

نیند کا انسان پر غلبہ ہو جانا ایک معمولی بات ہے لیکن ایسے سخت تردد و خوف کی حالت میں ساری جماعت پر ایک دفعہ نیند کا غالب ہو جانا یقیناً خارقِ عادت امر ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس کا وقوع خداوند عالم کے مخصوص ارادے سے ہوا تھا نہ کہ محض اقتضائے طبیعت سے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

"اور (مسلمانو) ان کفار کو کچھ تم نے تو قتل کیا نہیں۔ بلکہ ان کو تو خود خدا نے قتل کیا اور (اے رسولؐ) جب تم نے تیر مارا تو کچھ تم نے نہیں مارا بلکہ خدا نے تیر مارا۔"

(۱) جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد مسلمان باہم مفاخرت کرنے لگے اور ان کے درمیان ایک صورت اختلاف ظاہر ہو گئی۔ ہر ایک دعویٰ کرتا کہ فلاں کافر کو میں نے قتل کیا ہے اور دوسرا شخص اس کی تکذیب کر کے مدعی ہوتا کہ اس کافر کا قاتل میں ہوں۔ اس بے محل جھگڑے کو قطع کرنے کے لئے خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور قتلِ کفار کو درحقیقت اپنا فعل ٹھہرایا۔ اس لئے کہ موت کا سبب حقیقی اوسی کا حکم ہوتا ہے۔ اور شمشیر زنی یا دیگر امور محض ظاہری اسباب ہیں۔

(۲) آنحضرت صلعم نے مٹھی میں سنگریزے لیکر "شاہت الوجوہ" (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کفار کی جانب پھینکے تھے، اور وہ ان کی آنکھوں میں پڑ کر بدحواسی کے ساتھ بھاگ جانے کا سبب ہوئے۔ خداوند عالم نے "ما رمیت اذ رمیت" فرما کر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ

"اگر تم یہ چاہتے تھے کہ (جو حق پر ہو اس کی) فتح ہو تو (مسلمانوں کی) فتح بھی تمہارے سامنے آ موجود ہوئی۔ (اب کیا عذر باقی ہے۔) اور اگر تم (اب بھی مخالفت اسلام سے) باز رہو تو تمہارے واسطے بہتر ہے۔ اور اگر تم کہیں پلٹ پڑے تو (یاد رہے) ہم بھی پلٹ پڑیں گے۔"

اس آیت میں خطاب کفار قریش سے کیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب وہ لوگ مکہ سے روانہ ہونے لگے تو ابو جہل نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کے کہا کہ اے خدا! ہمارا دین قدیم اور محمدؐ کا دین جدید ہے۔ بس ان دونوں میں سے تیرے

نزدیک جو زیادہ محبوب و پسندیدہ دین ہو اور دونوں جماعتوں میں جو جماعت راہِ راست پر ہو اس کی مدد کرنا اور دوسرے کو تباہ و برباد کر دینا اور یہ دعا اس اعتقاد کے ساتھ کی گئی تھی کہ قریش ہی کا دین خدا کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہے اور وہی لوگ راہِ راست پر چلنے والے ہیں پس خداوند عالم نے برسبیل تحکم و استہزا ان سے فرمایا کہ تم اپنے لئے فتح کے متمنی تھے تو وہ تمہارے پاس آچکی اور اسکا ذائقہ تم خوب چکھ چکے لہٰذا اب بھی اگر کفر سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے خیر ہے اور اگر کہیں دوبارہ تم نے ایسی ہی شورش برپا کی تو پھر ہم تمہاری ویسی ہی سرکوبی کریں گے جیسی کر چکے ہیں۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

"اے ایماندارو جب تم کو (ہمارا) رسول (محمد) ایسے کام کیلئے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو تم خدا و رسول کا حکم دل سے قبول کر لو"

حیات جاوید دینے والے کام سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے اور چونکہ لوگ جہاد کو موت کا باعث سمجھتے تھے اور یہی خیال کمزوروں میں ثبات و استقلال پیدا نہ ہونے دیتا تھا۔ اس لئے خداوند عالم نے یہ ظاہر فرمایا کہ تم جس کو موت کا سبب سمجھتے ہو درحقیقت وہ حیات جاوید کا باعث ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ

"اور جان لو کہ خدا (وہ قادر مطلق ہے کہ) آدمی اور اس کے دل (ارادے) کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی (سمجھ لو) کہ تم سب کے سب اس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔"

اہل جبر کی غلط تفسیر

جو لوگ افعال عباد کا خالق پروردگار عالم کو بتاتے ہیں اور بندوں کو ہر نیک و بد میں مجبور محض جانتے ہیں انھوں نے اس کلام الٰہی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قلوب عباد خدا کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے اور جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ وہی قلوب کفار اور طاعات و عبادات کے درمیان آجاتا ہے جس سے وہ کسی عبادت و طاعت کے بجالانے پر قادر نہیں ہو سکتے اسی طرح مومنین کے دلوں کو معصیت سے منحرف اور خیر و صلاح کی طرف

مائل کر دیتا ہے جس سے اعمال صالحہ کے سوا کوئی برا کام اون سے واقع نہیں ہو سکتا۔ بالجملہ سعادت و شقاوت ہدایت و ضلالت مشیت ایزدی کے تابع ہیں ۔ اور بشری اختیار سے بالکل خارج۔

اگر حقیقت امر یہی ہو اور آیۂ مبارکہ اسی خیال کی موید ہو تو ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کو پروردگار عالم نے اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ رسولؐ کی حجت کفار پر تمام کی جائے بلکہ اس کے نازل کرنے کا مقصود یہ ہے کہ کفار کی زبردست حجت رسولؐ پر تمام ہو جائے۔ اہل جبر کے بیان کئے ہوئے مطلب کی بنا پر کفار جب چاہتے رسول خدا صلعم کو یہ کہکر خاموش کر سکتے تھے کہ جب خدا ہی نے ہمارے قلوب کو ایمان سے منحرف کر دیا ہے اور وہی طاعت و عبادات سے مانع ہے تو پھر اون کا حکم ہکو دینا کیسا؟ اور دنیا و آخرت کے عذاب کی دھمکی کیسی؛ اگر یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔؟

آیت کی صحیح تفسیر

پس معنی مذکور کا مراد ہونا کسی طرح مقتضائے عقل نہیں ہو سکتا۔ درآنحالیکہ دوسرے معنی کا احتمال بھی موجود ہے جس سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنے قلب اور دیگر اعضاء و جوارح سے اسی وقت تک منتفع ہو سکتا ہے اور ان کو صرف طاعت و عبادت کر کے کسب سعادت کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی حیات باقی ہے۔ موت کے آجانے کے بعد اس کے جملہ اعضاء و جوارح معطل و بیکار ہو جاتے ہیں پھر کبھی نفع حاصل کرنے کی قدرت باقی نہیں رہ جاتی۔ خداوند عالم نے "واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ" فرماکر اسی امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور محصل اس کا یہ ہے کہ "ایمان والو! تم خدا اور رسولؐ کے احکام قبول کر لو۔ اور اس عمل خیر کی طرف سبقت کرو۔ جو تمہاری ابدی زندگی کا سبب ہے اگر تم نے جلد ایسا نہ کیا تو جان لو کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جس میں خدائے تعالیٰ تمہارے اور تمہارے قلب کے درمیان موت کے ساتھ حائل ہو جائے گا اور تم اس سے کسی طرح منتفع نہ ہو سکو گے۔ اس تنبیہ میں قلب کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ وہ رئیس بدن ہے اور دیگر اعضاء اس کے تابع ہیں۔

اس مطلب کی تائید کے لئے متعدد وجوہ موجود ہیں :۔

(اول) یہ کہ ابتدائے آیت میں "اذا دعاکم لما یحییکم" فرماکر ابدی زندگی کا ذکر کیا ہے۔ پس اگر بعد کے فقرہ میں موت مراد ہوگی۔ تو دونوں فقروں میں پوری مناسبت اور کامل ارتباط پیدا ہو جائے گا۔ اور محصل یہ ہوگا کہ جب خدا اور رسولؐ تم کو ایسے عمل کی طرف دعوت دیں جو تمہاری حیات ابدی کا باعث ہو سکتا ہے تو

تم قبول کر لو اور اگر ایسا نہ کیا تو جان لو کہ ایک دن خداوند عالم تمہارے دلوں پر موت کو مسلط کر دیگا اور تم ابدی حیات سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لئے مردہ ہو جاؤ گے۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو دونوں فقروں کے درمیان کوئی وجہ ارتباط باقی نہ رہے گی۔ بلکہ دونوں کے مفہوم ایک دوسرے کے بالکل مخالف نظر آئیں گے۔ کیونکہ کوئی حکم دینے کے بعد یہ کہنا کہ اس کی تعمیل تمہارے اختیار و اقتدار سے باہر ہے منشاء حکم کے بالکل خلاف ہوگا۔ اور مکلفین کے لئے ترک تعمیل و عدم امتثال پر ایک قوی حجت موجود ہو جائے گی۔ جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔

دوم یہ کہ آخر آیت میں فرمایا ہے "وانہ الیہ تحشرون" یعنی یہ بھی جان لو کہ ایکدن تمہارا حشر ہماری طرف ہوگا۔ اور تم ہمارے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔ اس لئے مناسب مقام و سیاق کلام کا مقتضا یہی ہے کہ اس کلام سے پہلے موت کا ذکر ہو۔ ورنہ ان دونوں فقروں میں جو لفظاً بذریعہ حرف عطف ایک دوسرے سے مرتبط کئے گئے ہیں معنی کے اعتبار سے کوئی تناسب و ارتباط نہ ہوگا۔ جیسا کہ ادنی تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔

سوم ۔ قرآن مجید میں ایک دوسری آیت بھی موجود ہے جس میں اس مطلب کو توضیح کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور وہ یہ ہے :۔

اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ "اپنے رب کے حکم پر لبیک کہو اس دن سے پیشتر جو خدا کی طرف سے آئے گا۔ جس سے کوئی چھٹکارا نہیں نہ کوئی جائے پناہ ہوگی۔ نہ تمہارے انکار کا موقع۔"

پس احتمال قوی یہی ہے کہ آیۂ زیر بحث اور یہ آیت دونوں تقریباً متفق المعنی ہیں جس بات کو ایک جگہ اجمالاً بیان کیا ہے اوسیکی دوسری جگہ تفصیل کر دی ہے اور قرآن مجید میں اس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" یعنی قرآن کی ایک آیت دوسری کی تفسیر کر دیتی ہے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۵

"اور اس فتنے سے ڈرتے رہو جو خاص انھیں لوگوں پر نہیں پڑے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا۔ (بلکہ تم سب کے سب اس میں پڑ جاؤ گے) اور یقین جانو کہ خدا بڑا سخت عذاب کرنے والا ہے۔"

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :۔

عن الحسن نزلت فی علیؑ و عمار و طلحة والزبیر وهو یوم الجمل خاصة قال الزبیر نزلت فینا و قرأناها زماناً وما ظننا انا اهلها فاذا نحن المعنیون بها۔ وعن السدی نزلت فی اهل بدر واقتتلوا یوم الجمل وروی ان الزبیر کان یسامر النبی صلعم یوماً اذ اقبل علی رضؓ فضحک الیه الزبیر فقال رسول اللہ کیف حبک لعلی فقال یا رسول اللہ احب کحبی لولدی او اشد فقال کیف انت اذا سرت الیه تقاتله۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۳۴)

"حسن سے مروی ہے کہ یہ (آیت) علیؑ و عمار اور طلحہ و زبیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جنگ جمل سے مخصوص ہے زبیر نے کہا کہ یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ہم ایک مدت تک اس کی قرآت کرتے رہے اور ہمیں یہ گمان بھی نہ ہوا کہ ہم اس کے اہل ہیں۔ لیں اب تو ہم ہی اس سے مراد لئے گئے ہیں۔

اور سدیؔ سے مروی ہے کہ ان اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ بدر میں لڑے ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک روز زبیر نبی صلعم سے باتیں کر رہے تھے کہ علی علیہ السلام سامنے سے آئے ان کو دیکھکر زبیر مسکرائے۔ رسولخدا نے پوچھا تیری محبت علیؑ سے کیسی ہے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ دوست رکھتا ہوں تو آپنے فرمایا کہ جب تم ان سے قتال کے لئے نکلوگے اسوقت تمہارا کیا حال ہوگا۔"

نیز تفسیر درمنثور میں علامہ سیوطی نے یہ روایت درج کی ہے۔ (دیکھو درمنثور جلد ۳ صفحہ ۱۷۷)

(۱) اخرج احمد والبزار وابن المنذر وابن مردویه و ابن عساکر عن مطرف قال قلنا للزبیر یا ابا عبد اللہ ضیعتم الخلیفة حتی قتل ثم جئتم تطلبون بدمه فقال الزبیر رضؓ انا قرأنا علی عهد رسول اللہ صلعم وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنهم واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة ولم نکن نحسب انا اهلها حتی وقعت فینا حیث وقعت۔

"احمد اور بزاز اور ابن منذر اور ابن مردویہ اور ابن عساکر نے مطرف سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے زبیر سے کہا کہ اے ابوعبد اللہ تم نے خلیفہ کو ضائع کر دیا۔ یہانتک کہ وہ قتل ہوگیا۔ اب تم اس کے قصاص کے طالب ہو تو زبیر نے کہا کہ ہم نے رسولخدا صلعم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں پڑھا واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة۔ اور ہمیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم اس کے اہل ہیں یہانتک کہ ہمارے بارے میں یہ آیت بالکل ٹھیک اُتری۔"

(۲) واخرج ابن ابی حاتم عن الحسن رضؓ فی قوله تعالیٰ واتقوا

قول باری تعالیٰ واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا

...... منکم خاصة قال البلاء والامر الذی هو کائن۔

منکم خاصة" کے بارے میں حسنؓ سے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ آزمائش اور ہونے والی بات مراد ہے۔"

(۳) واخرج عبد بن حمید وابو الشیخ عن قتادة رضؓ فی الآیة قال علم ذووا الالباب من اصحاب محمد صلعم حین نزلت هذه الآیة انه سیکون فتن۔

"اور آیت مذکورہ کے بارے میں عبد بن حمید اور ابو الشیخ نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب محمد صلعم میں سے صاحبان عقل جان گئے کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے۔"

(۴) واخرج ابن ابی شیبة وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ عن السدی فی قوله واتقوا فتنة الآیة قال اخبرت انهم اصحاب الجمل۔

"قول خدا واتقوا فتنة الآیہ کے بارے میں ابن ابی شیبہ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے سدی سے نقل کیا ہے اس نے کہا کہ مجھکو خبر دی گئی ہے کہ وہ اصحاب جمل ہیں۔"

(۵) واخرج عبد بن حمید عن الضحاک قال نزلت فی اصحاب محمد صلعم خاصة۔

"عبد بن حمید نے ضحاک سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ آیت اصحاب محمد صلعم کے بارے میں خصوصیت سے نازل ہوئی ہے"

ان کے علاوہ اور روایات بھی علامہ ممدوح نے اسی تفسیر میں درج کی ہیں۔ جو انھیں مضامین پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ہم اون کو بخوف طول نظر انداز کرکے صرف اون نتائج کے درج کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں جو ان سب سے حاصل ہوتے ہیں:—

(۱) اس آیت میں جنگ جمل کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اور بالخصوص اصحاب رسولؐ کو اس سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس کا نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود زبیر کو بھی اقرار تھا۔ جو اس جنگ کے باعث ہوئے تھے، اور تمام با فہم اصحاب رسولؐ نے تو نزول آیت ہی کے وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ عنقریب کوئی فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ پس جو لوگ اپنی کوتہ نظری سے قرآن کو کلام الٰہی تصور نہیں کرتے ان کو اس آیت پر غور کرنا چاہیئے۔ جس سے مدتوں بعد حادث ہونے والے واقعے کی خبر اصحاب رسول کو دی تھی اور سمجھنا چاہیئے کہ کیا ایسی سچی اور صحیح خبر غیب سنانا بغیر وحی و الہام کسی معمولی انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے؟

(۲) خداوند عالم نے جنگ جمل کو فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفسیر "بلا" سے کی گئی ہے اور اس کے برپا کرنیوالوں کو ظالم ٹھہرایا ہے۔ نیز اس کے اثر کی بابت فرمایا ہے کہ صرف انھیں تک محدود و مخصوص نہ رہے گا۔ جو اسکے اصلی باعث، اور

باقی ہوں گے بلکہ بالعموم سب پر پڑے گا غرض جتنے اسباب انسانی طبائع میں خوف کا اثر پیدا کر سکتے ہیں اُن سب کو واضح کر دینے کے بعد اصحاب رسولؐ کو تنبیہ کی تھی کہ وہ کبھی اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ لہٰذا جتنے حضرات اوس کے باعث یا شریک تھے اون کا انجام اس آیت سے نہایت مایوس کن ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) امام رازی کی نقل کی ہوئی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے خود زبیر سے مخاطب ہو کر یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم علیؑ بن ابیطالبؑ کے ساتھ جس محبت شدیدہ کے مدعی ہو وہ آئندہ باقی نہ رہے گی۔ اور ایک دن وہ بھی آئے گا کہ تم اون سے جنگ کرنے کے لئے نکلو گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کو واقعہ جنگ جمل پر محض اجمالی اطلاع نہ تھی بلکہ بالتفصیل واقف تھے، کہ کون کون اس کا بانی ہوگا۔ لہٰذا آپ کے عالم امور غیبیہ ہونے کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ اگر فہم قاصر نہ ہو تو یہی ایک خبر غیب قرآن اور اس کے مبلغ کی حقیت ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

"اے ایمان دارو نہ تو خدا اور رسولؐ کی (امانت میں) خیانت کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو۔"

اس آیت میں خداوند عالم نے اہل ایمان کو دو حکم دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کریں اور اُس سے مراد معصیت و نافرمانی ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کریں۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ یَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ﴿۲۹﴾

"اے ایمان دارو اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے واسطے امتیاز پیدا کر دے گا۔ اور تمہاری طرف سے تمہارے گناہ کا کفارہ قرار دے گا۔ اور تمہیں بخش دے گا۔"

"فرقان" سے مراد علم و ہدایت ہے اور محصل کلام یہ ہے کہ اگر تم تقویٰ کرو گے تو خدا تمہارے دلوں میں وہ ہدایت اور نور عطا کرے گا۔ جس سے حق و باطل میں اچھی طرح فرق کر سکو گے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہدایت کے درجات مختلف و غیر محدود ہیں۔ پس اگر تقویٰ کے صلہ میں توفیقات الٰہی شامل حال ہوں اور انسان اون درجات پر

ترقی کرتا رہے تو کسی طرح محل تعجب و استبعاد نہیں ہو سکتا۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِیهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾

"حالانکہ جب تک تم ان کے درمیان موجود ہو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا۔ اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ لوگ تو اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہیں اور خدا ان سب پر عذاب نازل فرمائے۔"

علامہ ابن حجر مکی نے کتاب صواعق محرقہ میں فرمایا ہے (دیکھو صفحہ ۹۱ مطبوعہ مصر)

الآیۃ السابعۃ قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اشار صلعم الی وجود ھذا المعنی فی اھل بیتہ وانھم امان لاھل الارض کما کان ھو صلعم امانا لھم

"ساتویں آیت قول باری تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔ رسولخدا صلعم نے اس معنی کے اپنے اہلبیت میں موجود ہونے کا اشارہ کیا۔ یعنی اہلبیت اہل ارض کے لئے امان ہیں جس طرح آنحضرت ان کے لئے امان ہیں۔"

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِیَةً ﴿۳۵﴾

"اور خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی۔"

قریش خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے کرتے اور اسی کو عبادت تصور کرتے تھے۔

جزء نہم تمام شد

الجزء العاشر (پارہ دہم)

وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

"اور سمجھ لو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ مخصوص خدا اور رسول اور اس کے قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے اگر تم خدا پر اور اس (غیبی امداد) پر ایمان لاچکے ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے (محمدؐ) پر فیصلے کے دن (جنگ بدر میں) نازل کی تھی جس دن مسلمانوں اور کافروں کی دونوں جماعتیں باہم گتھ گئی تھیں۔ اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے"

خمس کے مستحقین اور اس کی تقسیم کے متعلق اہل اسلام کے فرقے مختلف اقوال رکھتے ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے۔

قول اہل التشیع علمائے شیعہ امامیہ کا قول صاحب تفسیر مجمع البیان نے اس عبارت میں واضح فرمایا ہے:۔

ان الخمس تقسم علی ستة اسهم فسهم لله وسهم الرسول و هذان السهمان مع سهم ذوی القربی للامام القائم مقام الرسولؐ وسهم ليتامی آل محمدؐ وسهم لمساكينهم وسهم لابناء سبيلهم لا يشركهم فی ذلك غيرهم لان الله سبحانه حرم عليهم الصدقات لكونها اوساخ

"خمس چھ حصوں پر تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ خدا کا اور ایک حصہ رسولؐ کا۔ یہ دونوں حصے اور ذوی القربیٰ کا حصہ رسولؐ کے قائم مقام امام کا ہے۔ اور ایک حصہ آل محمدؐ کے یتیموں کا اور ایک حصہ ان کے مسکینوں اور ایک حصہ ان کے مسافروں کا ہے اس میں آل محمدؐ کے علاوہ کوئی ان کا شریک نہ ہوگا۔ کیونکہ

وعوضهم من ذلك الخمس وروى ذلك الطبری عن علی بن الحسين زين العابدين ومحمد بن علی الباقر عليهم السلام

صدقات کو اوساخ (مال کا میل) ہونے کی وجہ سے ان کو خدا نے پاک آل محمدؐ پر حرام کر دیا ہے۔ اور اس کے بدلے میں ان کو خمس دیا ہے۔ اس کو طبری نے علی ابن الحسین زین العابدین اور محمد بن علی الباقر علیہم السلام سے روایت کیا ہے"

اس کے قریب قریب ابو العالیہ کا قول بھی ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:۔

والقول الثانی وهو قول ابی العالية ان خمس الغنيمة يقسم علی ستة اقسام فواحد منها لله وواحد لرسول الله والثالث لذی القربی والثلاثة الباقية لليتامی والمساكين وابن السبيل۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۸۶)

"اور دوسرا قول ابو العالیہ کا قول ہے کہ غنیمت کا خمس چھ حصوں پر تقسیم ہوگا۔ ان میں سے ایک حصہ اللہ کا اور ایک حصہ رسول اللہؐ کا اور تیسرا حصہ ذوی القربیٰ کا اور باقی تین حصے یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے ہیں"

خلیفہ رسولؐ کو تین حصوں کا استحقاق جس وجہ سے حاصل ہوا وہ تفسیر صافی کی اس عبارت سے واضح ہوتی ہے

وانما صارت للامام وحده من الخمس ثلاثة اسهم لان الله تعالیٰ قد الزمه بما الزم النبیؐ من تربية الايتام ومؤن المسلمين وقضاء ديونهم وحملهم فی الحج والجهاد۔

"اور تنہا امامؑ کے لئے خمس میں سے تین حصے اس لئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے یتیموں کی پرورش اور مسلمانوں کی حاجت روائی اور ان کے قرضوں کی ادائیگی اور ان کے حج اور جہاد کی سواریاں جو نبیؐ پر لازم کی تھیں وہ امامؑ پر بھی لازم کی ہیں"

قول اہل السنت امام شافعی و ابو حنیفہ و مالک کے اقوال فخر الدین رازی نے اس عبارت میں نقل کئے ہیں اور جس دلیل سے امام شافعی کے قول کو صحیح ثابت کیا ہے وہ قابل غور ہے۔

واما بعد وفاة الرسول صلعم فعند الشافعی رحمه الله انه يقسم علی خمسة اسهم سهم لرسول الله يصرف الی ما كان يصرفه اليه من مصالح المسلمين كعدة الغزاة من الكراع والسلاح وسهم لذوی القربی من اغنيائهم وفقرائهم يقسم بينهم للذكر مثل حظ الانثيين والباقی للفرق الثلاثة وهم اليتامی والمساكين وابن السبيل۔

"لیکن بعد وفات رسول صلعم پس شافعی رح کے نزدیک وہ (خمس) پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا ایک حصہ رسول خدا کا ہے، جو مسلمانوں کی بہبودی میں صرف کیا جائے گا جس میں اس کو رسول اللہ صرف کیا کرتے تھے۔ جیسے لشکریوں کے لئے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کرنا۔ اور ایک حصہ ذوی القربیٰ کے اغنیاء و فقراء کا ہے جو ان میں للذکر مثل حظ الانثیین (ایک مرد کو دو

عورتوں کے برابر) کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور باقی تین گروہوں یتیموں

اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔"

وقال ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان بعد وفاۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سہمہ ساقط بسبب موتہ وکذالک سہم ذوی القربیٰ وانما یعطون لفقرھم فھم اسوۃ سائر الفقراء ولا یعطی اغنیاءھم فیقسم علی الیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وقال مالک الامر فی الخمس مفوض الی رأی الامام ان رأی قسمۃ علی ھٰؤلاء فعل وان رأی اعطاء بعضھم دون بعض فلہ ذالک —

"اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رسول صلعم کی وفات کے بعد ان کی موت کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط ہے اور اسی طرح ذوی القربیٰ کا حصہ بھی ساقط ہے اور ان کو ان کی محتاجی کی وجہ سے عطا کیا جائے گا۔ پس وہ تمام فقراء کے مساوی ہیں اور ان کے اغنیا کو نہ دیا جائے گا۔ پس یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور مالک نے کہا ہے کہ خمس کا معاملہ امام کے اختیار میں ہے وہ چاہے ان مذکورہ لوگوں پر تقسیم کر دے اور چاہے تو ان میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اسکو اس کا اختیار ہے۔"

واعلم ان ظاھر الآیۃ مطابق الشافعی رحمہ اللہ وصریح فیہ فلا یجوز العدول عنہ الا الدلیل منفصل اقوی منھا وکیف وقد قال فی اخر الآیۃ ان کنتم آمنتم باللہ یعنی ان کنتم آمنتم باللہ فاحکموا بھذہ القسمۃ وھو یدل علی انہ متی لم یحصل الحکم بھذہ القسمۃ لم یحصل الایمان باللہ —

جاننا چاہیئے کہ ظاہر آیت شافعی رح کے مطابق ہے اور اس بارے میں بالکل صریح ہے۔ پس اس سے عدول کرنا بغیر اس سے ...... قوی دلیل کے جائز نہیں ہے اور کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ آخر آیت میں فرمادیا ہے ان کنتم آمنتم باللہ یعنی اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس تقسیم کے مطابق حکم کرو اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب اس تقسیم کے مطابق حکم حاصل نہ ہو گا تو اللہ پر ایمان بھی حاصل نہ ہو گا۔"

اس کلام کا محصل یہ ہے کہ آیت صریح لفظوں میں مستحقین خمس کی تعیین کرتی ہے جن میں ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں لہٰذا جب تک اس کلام الٰہی سے زیادہ قوی دلیل نہ مل جائے اس تقسیم میں خلل اندازی کرنا اور کسی مستحق کے حق کو ساقط کر دینا جائز نہیں ہو سکتا۔ نیز خداوند عالم نے محض مستحقین کے حصوں کی تصریح کرنے پر اکتفا نہیں فرمائی ہے بلکہ آخر آیت میں یہ واضح فرما دیا ہے۔ کہ مومن باللہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسی کی تصریح کے مطابق تقسیم

خمس کی جائے اور ہر ایک کا حق پورا پہونچایا جائے۔ جو شخص اس کے خلاف تقسیم کرے گا وہ مومن نہیں رہ سکتا۔ پس یہ کلام فقط امام ابوحنیفہ و مالک ہی کی رایوں کو غلط اور بے دلیل ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ اوس سے حضرات شیخین کے طرز عمل کا خلاف حکم الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے سہم ذوی القربیٰ کو انھیں حضرات نے ساقط فرمایا تھا اور اس میں جو مصلحت پیش نظر تھی اوس سے بحث کرنا اس مقام پر مناسب نہیں۔

اجتہادِ عجیب

عجائب زمانہ میں سے یہ امر ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ فرمایا کہ تقسیم خمس اور مستحقین مذکورین کے استحقاق دائمی کے لئے آیۂ زیر بحث نص صریح ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ اور اس کے آخری جملے سے یہ ثابت فرمایا کہ اس تقسیم پر عمل کرنا شرط ایمان ہے۔ لیکن کتاب نہایۃ العقول میں اس مسئلہ خمس کو اجتہادی مسئلہ ٹھہرایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قولہ رابعًا انہ منع اھل البیت خمسھم قلنا ھذہ مسئلۃ اجتہادیۃ والا لوجب علی علی اظھار الانکار لما بینا ان اسباب التقیۃ کانت زائلۃ واذا کان کذالک جاز العمل لمقتضی الاجتھاد —

"چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اہلبیت کو اُن کے حق خمس سے محروم کیا، ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ ورنہ علی پر اظہار انکار واجب ہو گا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسباب تقیہ زائل تھے، اور جب ایسا تھا تو بمقتضائے اجتہاد عمل کرنا جائز ہے۔"

ہر با فہم یہ سمجھنے سے قاصر رہے گا کہ کوئی مسئلہ اجتہادی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اوس کا حکم کسی نص صریح واضح سے نہ ہوتا ہو اور یہاں یہ صورت ہے کہ خود امام رازی کے ارشاد کے مطابق آیۂ زیر بحث صریح لفظوں میں مستحقین زکوٰۃ کی تعیین کرتی ہے جس سے عدول کرنا کسی وقت بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ تو ایسی حالت میں یہ مسئلہ محتاج اجتہاد کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر کسی نے اس کو خواہ مخواہ اپنی قوت اجتہادیہ کا ممنون بنایا ہو تو ایسا اجتہاد جو نص قرآنی کے مقابلہ میں کیا جائے کس طرح دوسروں پر حجت ہو سکتا ہے اور کہاں تک اوس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز ٹھہر سکتا ہے۔ امام رازی کے ان دو مختلف بیانوں پر نظر کرنے کے بعد طالب حق یقیناً حیران رہ جائے گا۔ کہ آخر کس پر ایمان لائے۔

اجتہادِ غریب

یہ انوکھا اجتہاد بھی قابل دید ہے کہ آیت مذکورہ کو اجماع صحابہ کے ذریعہ سے منسوخ کر دیا گیا۔ بلکہ اسے ایک قانون بنا دیا گیا۔ ملاحظہ ہو "اصول کرخی ص ۶ مطبوعہ دیوبند مصنفہ امام ابوالحسن کرخی مع شرح امام نجم الدین عمر نسفی" و۔

الاصل ان کل آیة تخالف قول اصحابنا تحمل علی النسخ کقوله تعالیٰ وللرسول ولذی القربیٰ فی الآیة ثبوت سهم ذوی القربیٰ فی الغنیمة ونحن نقول انتسخ ذالک باجماع الصحابة

"یعنی ایک اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو وہ منسوخ قرار دی جائے گی۔ جیسے آیۂ وللرسول ولذی القربیٰ سے قرابتداروں کا حصہ ثابت ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اجماع صحابہ کی وجہ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔"

اس اجتہاد غریب میں سابق اجتہاد عجیب کا جواب بھی موجود ہے۔ یعنی جب اجماع صحابہ میں یہ زور ہے کہ قرآنِ صامت کے حکم کو ٹھکرا سکتا ہے تو ناطق کی آواز کو دبا دینا کیا بڑی بات رہی ہوگی۔ کیا اس کے بعد بھی امام رازی کو انکار علی کے تلاش کی ہوس ہے۔

شیعی نظریہ کی تائید

تفسیر مجمع البیان کی عبارت منقولہ سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ذوی القربیٰ کو خمس کا حصہ دار محض اس لئے بنایا گیا ہے کہ تمام صدقات اون پر حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ روایات اہلسنت میں بھی بتائی گئی ہے جن میں سے چند روایتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اون پر نظر کرکے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ جب حق خمس ذوی القربیٰ کو عطا کئے جانے کی یہی وجہ تھی کہ تمام صدقات اون پر حرام کردیئے گئے۔ اور ادن کی حرمت ہمیشہ باقی بھی رہی کبھی یہ حکم منسوخ نہیں کیا گیا تو ان کا حق بھی یقیناً ہمیشہ باقی رہے گا کسی وقت میں ساقط نہیں ہوسکتا اور ایسی صورت میں کہ اون پر جملہ صدقات حرام تھے۔ جن لوگوں نے ان کو خمس کے حق سے محروم رکھا وہ درحقیقت یہی مقصد پیش نظر رکھتے تھے، کہ ذوی القربیٰ کی قوت ہمیشہ کے لئے زائل کردی جائے اور کبھی ان کو فراغت و رفاہیت کی زندگی نصیب نہ ہونے پائے۔

(۱) اخرج ابن جریر وابن المنذر وابو الشیخ عن مجاهد فی قوله واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه قال کان النبی صلعم وذوو قرابته لا یاکلون من الصدقات شیئا لا یحل لهم فللنبی خمس الخمس ولذی قرابته خمس الخمس ولليتامیٰ مثل ذالک وللمساکین مثل ذالک ولابن السبیل مثل ذالک۔ (تفسیر درمنثور)

"قول باری تعالیٰ واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه کے بارے میں ابن جریر اور ابن منذر اور ابو الشیخ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس نے بیان کیا کہ نبی صلعم اور ان کے قرابتدار صدقات نہیں کھاتے تھے، وہ ان کے لئے حلال نہیں۔ پس خمس کا ایک پانچواں حصہ نبیؐ کے لئے اور ایک پانچواں حصہ نبی کے قرابتداروں کے لئے اور اتنا ہی یتیموں کے لئے اور اتنا ہی مسکینوں کے لئے اور اتنا ہی مسافر کے لئے ہے۔"

(۲) اخبرنا عمرو بن یحییٰ بن الحارث قال اخبرنا محبوب قال اخبرنا ابو اسحاق عن شریک عن خصیف عن مجاهد قال الخمس الذی لله وللرسول کان للنبیؐ وقرابته لا یاکلون من الصدقة شیئاً فکان للنبیؐ خمس الخمس ولذی قرابته خمس الخمس ولليتامیٰ مثل ذالک وللمساکین مثل ذالک ولابن السبیل مثل ذالک

"مجاہد سے روایت ہے کہ خمس خدا و رسولؐ کے لئے ہے۔ نبیؐ اور ان کے قرابتدار صدقہ بالکل نہیں کھاتے تھے۔ پس خمس کا ایک پانچواں حصہ نبیؐ کے لئے اور ایک پانچواں حصہ ان کے قرابتداروں کے لئے اور اتنا ہی یتیموں کے لئے اور اتنا ہی مسکینوں کے لئے اور اتنا ہی مسافروں کے لئے ہے۔" (صحیح نسائی)

(۳) نیز صاحب ہدایہ ذکر زکوٰۃ میں فرماتے ہیں:۔

ولا تدفع الی بنی هاشم لقوله علیه السلام یا بنی هاشم ان الله حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم وعوضکم منها بخمس الخمس۔

"اور زکوٰۃ بنی ہاشم کو نہیں دی جائے گی اس لئے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ اے بنی ہاشم بے شک خدا نے تم پر لوگوں کا دھوون اور میل کچیل حرام کیا ہے اور تمہیں اس کے بدلہ میں خمس کا پانچواں حصہ دیا ہے۔ اس لئے بنی ہاشم کو (زکوٰۃ) نہیں دی جاتی۔"

مولوی شبلی کی جسارت آمیز توجیہ

مولوی شبلی نعمانی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں کہ۔ "حضرت عمرؓ کی بابت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابتداران پیمبرؐ کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے خمس میں اہلبیتؑ کو کبھی حصہ نہیں دیا۔" اور اس کے بعد فرماتے ہیں۔ "لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپؐ کے قرابتداروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کردیا گیا ہے اور گو اُن کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنی ہی دولت مند اور غنی ہوجائیں تاہم یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے گا تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔"

مجھے یقین ہے کہ ہر وہ شخص جس کا ایمان محض اکابر ملت کے ساتھ بحد افراط خوش اعتقادی تک محدود نہ ہوگا میرے اس خیال کی تائید کرے گا کہ مولوی شبلی صاحب نے اس کلام میں خدا اور رسولؐ کی شان میں عدیم المثال جرأت اور گستاخی کی ہے جبکہ خداوند عالم نے مخصوص آیت نازل کرکے ذوی القربیٰ کا حق قائم کیا اور اس کے مطابق آنحضرتؐ ہمیشہ ان کو حقدار قرار دیتے رہے۔ اور کوئی آیت یا حدیث ایسی موجود نہیں کہ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حق ذوی القربیٰ کسی خاص وقت تک کے لئے معین کیا تھا۔ بعد میں منسوخ و ساقط کردیا گیا۔ تو اس کو برہمنوں کی خود غرضی سے تشبیہ دینا

خداوند عالم اور اس کے رسولؐ کی شان میں حد درجہ سوء ادب کا مرتکب ہونا اور اُن کے احکام کا نہایت استخفاف کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب کو محض یہ امر خود غرض برہمنوں کے فعل سے مشابہ نظر آیا کہ بانیٔ شریعت اپنے قرابتداروں کا کوئی خاص حق قیامت تک کے لئے قائم کر دے حالانکہ اگر قرابتداروں کا مخصوص حق معین کرنا خود غرضی کا نتیجہ ہو سکتا ہے تو اس میں دوام و استمرار یا اون قرابتداروں کے غناء و ثروت کی تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مطلقاً ایسا کرنا محض لحاظ قرابت ہی کی وجہ سے خود غرض برہمنوں کا فعل قرار پا سکتا ہے خواہ وہ کسی مخصوص مدت کے لئے ہو۔ یا قیامت تک کے لئے اور قرابت دار مفلس ہوں یا دولت مند۔ لہٰذا مولوی صاحب کے لئے مناسب یہی تھا کہ مطلقاً قرابت کا لحاظ کرنے اور ذوی القربیٰ کا مخصوص حصہ خمس میں معین کرنے ہی کو خدا اور رسولؐ کی خود غرضی کا نتیجہ ظاہر فرماتے۔ قرابتداروں کی غناء اور ثروت اور ان کے حق کی تا قیامت بقاء سے تعرض کرنا عبث تھا۔

کاش مولوی صاحب اس حقیقت سے باوجود تبحر و افراط معلومات غافل نہ ہوتے کہ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں ان کا مطمح نظر فقط یہ ہوتا ہے کہ جہانتک ہو سکے دنیا کی ساری دولت اون کا اور ان کے قرابتداروں کا خاص حصہ بنجائے۔ دوسرے لوگوں کی خوشحالی کے خواہاں نہیں ہوا کرتے۔ لیکن بانیٔ شریعت اسلام نے ایسا نہیں کیا بلکہ فقط خمس کو اپنی ذات اور اپنے قرابتداروں کے لئے مخصوص فرمایا باقی ہر طرح کے اموال صدقات کو جس کی مقدار خمس سے بہت زیادہ ہوتی ہے اپنے قرابت داروں پر بالکل حرام کر کے اغیار کے لئے چھوڑ دیا۔ لہٰذا اگر کوتاہ بینی اور تنگ نظری سے الگ ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ قرابت داروں کا حصہ قرار دیا گیا ہے وہ اغیار کے حصوں کا عشر عشیر بھی نہیں ٹھہرتا۔ اس لئے خود غرضی کا الزام عاید نہیں ہو سکتا۔ نیز ہم نے تفسیر صافی کی جو عبارت اوپر نقل کی ہے اوس سے ذوالقربیٰ کے لئے خمس کا حقدار بنائے جانے کی وجہ بخوبی عیاں ہوتی ہے اس پر نظر کرنے کے بعد بانیٔ اسلام پر خود غرضی کا الزام وارد کرنے کی جرأت بجز کور دل اور کسیکو نہیں ہو سکتی۔

باقی رہا یہ خیال کہ حق خمس کا ذوی القربیٰ کو باوجود ترقی نسل و دولت ہمیشہ ملتا رہنا ایسا قاعدہ ہوگا جو مطابق اصول تمدن نہیں ہو سکتا۔ جس قدر بھی عجیب تصور کیا جائے کم ہوگا۔ غالباً مولوی صاحب کے نزدیک اصول تمدن کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جس خاندان کی نسل و دولت ترقی پذیر ہو اُس کے آمدنی کے وسائل محدود و مسدود کر دیئے جائیں۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ لوگ رفاہیت و استغنا کی زندگی سے محروم ہو کر نان شبینہ کے لئے بھی محتاج ہو جائیں۔ مجھے یہ امید ہرگز نہیں کہ کوئی باحواس شخص ایسے قاعدہ کو جس سے نظام تمدن بالکل درہم و برہم ہو جاتا ہو

مطابق اصول تمدن قیاس کرنے میں مولوی شبلی صاحب کا ہمخیال ہوگا۔ ہاں یہ بات اصول تمدن کے مطابق ضرور ہے کہ تمام دولت و ثروت کسی خاص طبقہ کا حصہ نہ بنا دی جائے بلکہ ہر طبقہ کے حصے علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیئے جائیں تاکہ عام طور سے لوگ رفاہیت و فارغ البالی کی زندگی سے مستفید ہوں۔ چنانچہ بانیٔ شریعت اسلام نے ایسا ہی کیا ہے کہ ذوی القربیٰ کے لئے خمس میں حصہ مقرر فرما کے باقی اموال صدقات کو جو خمس سے بہت زیادہ تھے اون پر حرام اور اغیار پر مباح اور صاف لفظوں میں اس کی غرض بھی بیان فرما دی ہے جیسے ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

اگر کوئی شخص سرمایہ عقل و دیانت سے تہیدست ہو کر اس اختراعی قاعدہ تمدن کے معاملہ میں مولوی شبلی صاحب کا ہمخیال بننا گوارا بھی کر لے تو بھی ذوی القربیٰ کے ساتھ حضرت عمر کے مشہور برتاؤ کو صحیح و حق بجانب ثابت نہیں کر سکتا کیونکہ اس عہد میں نہ زمین پھٹی اور نہ آسمان سے بارش ہی ہوئی پھر اہلبیت اور دیگر اقارب رسول صلعم کے گھروں میں دولت و مال کی اتنی افراط کیونکر ہو گئی جس سے اون کو اوس حق خمس کو ساقط کر دینا لازم ہو گیا۔ جو خدا کے مخصوص فرمان سے جاری کیا گیا تھا۔ اور عہد رسالت میں کبھی بند نہ ہوا۔ دنیا کی تمام مشہور تاریخیں جو عام طور سے دستیاب ہو سکتی ہیں اون سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ کے مخصوص اقارب کے گھروں کی زینت عسرت و افلاس تھی اور اون کا قابل فخر سرمایہ توکل فقر و فاقہ تھا اور اسی حالت میں رسولؐ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کا قول "الفقر فخری" ان کے لئے وجہ تسلی بنتا تھا۔ ممکن ہے کہ فاضل مورخ کو سیاحت روم و شام کے اثنا میں کسی غیر معروف کتب خانہ میں جا کر کسی ایسی کتاب کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوا ہو جو کبھی عام مورخین اسلام کے پیش نظر نہ آئی ہو۔

علاوہ اس کے ہر وسیع النظر یہ خیال کرنے پر مجبور ہوگا کہ اگر حضرت عمر کو اصلاح تمدن کی فکر لاحق تھی تو لازم تھا کہ اس کا انفاذ عام طور سے فرماتے محض چند مخصوص ذوی القربیٰ کے حقوق کو بجبر روک لینا اصلاح عام کے لئے کافی نہیں ہو سکتا حالانکہ تمام کتب تواریخ اسکی شاہد ہیں کہ آپ ہی نے حضرت ابوبکر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ جناب عباس کے پاس چلکر اون کی اولاد کا حصہ خلافت کی آمدنی میں قرار دینا چاہیئے تاکہ اون کی ہمدردی و تائید حاصل ہو جانے سے دیگر بنی ہاشم پر حجت قائم ہو سکے چنانچہ اسی غرض سے عم رسولؐ کے پاس جا کر گفت و شنید بھی کی تھی۔ نیز آپ نے اپنے عہد خلافت میں ملکی آمدنی کو سالانہ وظائف کی صورت میں مہاجرین و انصار اور دیگر مستحقین پر اس طرح تقسیم فرمایا کہ جماعت مسلمین کے مختلف طبقات پست و بلند بنا دیئے گئے اور ایک کو دوسرے پر نمایاں امتیاز عطا کیا گیا۔ اور بڑی بڑی رقمیں اکابر و عمائد ہی کا وظیفہ قرار دی گئیں جس کا نہایت ناگوار اثر یہ ہوا کہ قانون الٰہی کی رو سے جو مساوات حقوق آنحضرتؐ نے قائم کی تھی اور حضرت ابوبکر کے

عہد تک بہت کچھ باقی تھی اوس کی پوری بیخکنی ہو گئی اور جب چند دنوں کے بعد ایک خلیفہ رسولؐ (علیؑ) نے قانون الٰہی و سنت نبوی پر عمل کرنا چاہا تو اسی طبقۂ اکابر نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ جو عہد خلافت ثانیہ میں درجہ اول کے وظیفہ خوار تھے ہم نے ان باتوں کو رسالہ "سیاست علویہ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے ناظرین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

وما انزلنا علی عبدنا سے مراد وہ آیات اور ملائکہ اور فتح و ظفر ہیں جن کا نزول جنگ بدر میں خداوند عالم کے حکم سے ہوا تھا۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ

"جب تم (میدان جنگ میں مدینہ کے) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ لوگ بعید کے ناکے پر اور (قافلے کے) سوار تم سے نشیب میں تھے۔"

آنحضرت صلعم نے اہل اسلام سے فتح و ظفر کا وعدہ فرمایا تھا اور کفار کے قتل ہونے کی جگہیں بھی اون کو دکھا دی تھیں جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوا لیکن باایں ہمہ اکثر اہل اسلام کے قلوب خوف و ہراس سے خالی نہ تھے۔ کیونکہ ان کی تعداد کفار کے بہ نسبت بہت کم تھی اور بالکل بے سر و سامانی کی حالت تھی۔ اوس پر جس مقام میں اترنا پڑا وہ بالکل صحرائے بے آب تھا۔ ریت اتنی گہری تھی کہ پاؤں چلنے میں دھنس جاتے تھے، برخلاف اس کے کفار کی قوت کے تمام اسباب مہیا تھے، ان کی تعداد کثیر تھی سامان جنگ بہ کثرت موجود تھا تالاب کے کنارے ایسی زمین پر خیمہ زن ہوئے جہاں زمین سخت تھی اور وہ قافلہ جو سامان تجارت لئے ہوئے ابوسفیان کی ماتحتی میں جا رہا تھا نشیب کی جانب اون سے فقط تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ جس سے کمک کے پہونچنے کی بوقت ضرورت پوری امید تھی مگر باوجود ان حالات کے کفار کو شکست اور اہل اسلام کی فتح ہوئی اور خدا و رسولؐ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ لہذا یہ فتح آنحضرتؐ کی تصدیق کے لئے روشن دلیل تھی۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا

"جبکہ خدا نے تمہیں خواب میں کفار کو کم کر کے دکھایا تھا اور اگر ان کو تمہیں زیادہ کر کے دکھاتا تو تم یقیناً ہمت ہار بیٹھتے اور لڑائی کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگتے مگر خدا نے اس (بدنامی) سے بچا لیا اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ دلی خیالات سے خوب واقف ہے (یہ وہ موقع تھا) جبکہ تم لوگوں نے مڈبھیڑ کی تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفار کو بہت کم کر کے دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تمکو تھوڑا کر دیا تاکہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا وہ پورا ہو جائے"

ایک مرتبہ خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو خواب میں کفار کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اسکو آپ نے اہل اسلام سے بیان فرمایا پھر دوبارہ اسکی تصدیق کیلئے اہل اسلام کی نگاہوں میں فریق مقابل کی تعداد گھٹا دی گئی نیز اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ اپنے مقابل جماعت کی کثرت دیکھ کر گھبرا نہ جائیں پھر کفار کے سامنے بھی ان اہل اسلام کی تعداد کم کر کے دکھائی تاکہ بے خوف ہو کر جنگ کی تیاریوں میں زیادہ اہتمام نہ کریں جنگ بدر میں جن عجائب قدرت کا ظہور ہوا ان میں یہ امر سب سے زیادہ عجیب تھا جسکی حقیقت و کیفیت کو صحیح طور سے معلوم ہونا غیر ممکن ہے اور جب کہ قدرت کے معمولی کرشموں کی حقیقت کا صحیح طور سے معلوم کرنا عقول انسانی کے لئے میسر نہیں ہوتا تو اگر خوارق عادات و معجزات کی حقیقتوں تک رسائی ممکن نہ ہو تو اس کو وجہ انکار قرار نہیں دیا جا سکتا جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دراصل خالق عالم کی قدرت کاملہ کا انکار کرتے اور کائنات عالم پر اسکے اختیارات و تصرف کو محدود سمجھتے ہیں۔

قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۵

"اور شیطان نے کہہ دیا کہ میں تم سے الگ ہوں میں وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نہیں سوجھتیں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔"

جنگ بدر کے موقع پر ابلیس سراقہ بن حارث کی شکل بن کر حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا کہ یکایک ہاتھ چھوڑ کر بھاگا حارث بن ہشام نے کہا کہ سراقہ! تو ایسے نازک وقت میں ہمارا ساتھ چھوڑتا ہے اس نے جواب دیا کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے یعنی فرشتوں کی فوج آ گئی ہے۔ جب کفار کو شکست ہوئی اور وہ لوگ مکہ میں آئے تو سراقہ کی مذمت کرنے لگے اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارے ساتھ نہ تھا دوسروں نے بھی اسکی تصدیق کی کہ

کہ سراقہ مکہ سے باہر نہیں گیا مگر اسپر بھی لوگوں کو یہی خیال باقی رہا کہ سراقہ وہاں موجود تھا جب وہ لوگ اسلام لائے اس وقت یقین ہوا کہ وہ شیطان تھا۔

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں۔

ورایت فی کلام الشیخ المفید ابی عبد الله محمد بن محمد بن النعمان رض انه یجوز ان یقدر الله الجن ومن جری مجراهم علی ان یجتمعوا ویعتمدوا ببعض جواهرهم علی بعض حتی یتمکن الناس من رؤیتهم ویتشبهوا بغیرهم من انواع الحیوان لان اجسامهم من الرقة علی ما یمکن ذلک فیها وقد وجدنا الانسان یجمع الهواء ویفرقه ویغیر صور الاجسام الرخوة ضرباً من التغییر واعیانها لم تزد ولم تنقص وقد استفاض الخبر بان ابلیس ترائی لاهل دار الندوة فی صورة شیخ من اهل نجد وحضر یوم بدر فی صورة سراقة وان جبرئیل علیه السلام ظهر لاصحاب الرسول فی صورة دحیة الکلبی قال وغیر محال ایضا ان یغیر الله تعالی صورهم ویکثفها فی بعض الاحوال فیراهم الناس لضرب من الامتحان۔

میں نے شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان رحمہ کے کلام میں دیکھا کہ جائز ہے کہ خدا جنوں اور انکی جیسی مخلوق کو یہ قدرت دیدے کہ وہ بعض جواہر کو بعض کیساتھ جمع کرلیں یہاں تک کہ انسان انکو دیکھنے پر قادر ہوجائے اور اپنے غیر یعنی انواع انسان سے مشابہ بن جائیں۔ کیونکہ ان کے اجسام میں ایسی رقت پائی جاتی ہے جسمیں یہ بات ممکن ہے اور ہم نے انسان کو ایسا پایا ہے کہ وہ ہوا اکٹھی کرتا اور پراگندہ کرتا ہے اور نرم اجسام کی صورتوں میں طرح طرح کے تغیرات پیدا کرتا ہے اور انکی اصل ذات میں کوئی کمی بیشی پیدا نہیں ہوتی۔ اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ دار الندوۃ والوں کو ابلیس شیخ نجدی کی صورت میں دکھائی دیا اور جنگ بدر میں سراقہ کی صورت میں آموجود ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جبرئیل اصحاب رسول کیلئے دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوئے اور یہ بھی محال نہیں کہ امتحان کے لئے خدا انکی صورتوں کو بدل دے اور انکو بعض احوال میں کثیف کردے تاکہ لوگ انکو دیکھیں۔

نیز شیخ حسین آخندی اپنے مشہور رسالہ حمیدیہ میں فرماتے ہیں۔

واقتدارها علی التشکل مع انه جائز عقلاً

ان جنوں کا صاحب شکل بننے پر قدرت رکھنا علاوہ اسکے کہ

داخل تحت تصرف قدرة الله تعالی یمکن توجیهه بان الله تعالی کون تلک الاجسام علی کیفیة یقتدرون بها علی تناول کمیة من الهواء او الاثیر او نحو ذلک وتکثیفها وتکوینها علی الصورة التی یریدونها ثم یلبسونها کما یلبس احدنا ثوبه فیظهرون للابصار بتلک الصورة وفی الاعمال الکیمیاویة التی اقدر الله علیها البشر من تحویلات الاجسام الی بعضها کتحویل الکثیف لطیفا وبالعکس ما یقرب فهم ما قررناه الی العقول وحیث ان تشکل تلک الاجسام کیف ما کان مستند الی عظمة قدرة الله تعالی الذی تدهش اعماله الافکار بما اعطاه للحیوان والنبات من الخواص فلا غرابة فیه اصلا (مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۵)

ازروئے عقل جائز ہے قدرت خدا کے تصرف کے تحت میں داخل ہے اسکی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ خدا نے ان اجسام کو ایسی کیفیت پر خلق فرمایا ہے کہ وہ اسکے ذریعہ سے ہوا اور آگ وغیرہ سے ایک مقدار حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ ہوا کو کثیف کرکے جس صورت میں چاہتے ہیں ڈھال لیتے ہیں پھر جسطرح ہم اپنے کپڑے پہنتے ہیں اسکو پہن لیتے ہیں اور آنکھوں کے سامنے اس صورت خاص میں ظاہر ہوتے ہیں۔ الخ کیمیاوی کاموں میں جن پر خدا نے انسان کو قدرت دی ہے اجسام کی حالت میں تبدیل کرنا بھی ہے جیسے کثیف کو لطیف اور لطیف کو کثیف بنادینا۔ ان تصرفات میں ایسی چیزیں موجود ہیں جو ہماری عقل کیلئے مذکورہ بالا مطالب کا سمجھنا آسان کردیتی ہیں اور جب یہ مذکورہ اجسام خدا کی قدرت کی عظمت کے لحاظ سے ایسی شکل میں آجاتے ہیں جو عقول کو متحیر کردیتی ہے تو جو کچھ اس نے حیوانات اور نباتات کو خواص عطا کئے ہیں تو اسمیں قطعاً کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔"

هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(اے رسولؐ وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی)

ینابیع المودۃ میں مرقوم ہے

ابو نعیم الحافظ بسنده عن ابی هریرة وایضا عن ابی صالح عن ابن عباس ایضا عن جعفر الصادق رضی الله عنهم قالوا نزلت فی علی وان رسول الله صلی الله علیه وسلم

ابو نعیم حافظ نے ابو ہریرہ سے نیز ابو صالح سے اور اسنے ابن عباس سے نیز جعفر الصادق رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ آیت علی کے بارے میں نازل ہوئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

قال رایت مکتوبا علی العرش لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی و رسولی ایدتہ و نصرتہ بعلی بن ابی طالب

یعنی عرش پر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد میرا بندہ اور رسول ہے میں نے اس کی تائید اور نصرت علی ابن ابی طالب سے کی ہے لکھا ہوا دیکھا (صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر)

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اے رسول! تم کو بس خدا اور جو مومنین تمہارے تابع فرمان ہیں کافی ہیں۔"

اس آیت میں "من اتبعک من المومنین" سے علی بن ابی طالب علیہ السلام مراد ہیں (دیکھو ارجح المطالب صفحہ ۱۰۱)

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

کوئی نبی جب تک روئے زمین پر (کافروں کا) خون نہ بہائے اس کے یہاں قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں تم لوگ تو دنیا کے ساز و سامان کے خواہاں ہو اور خدا (تمہارے لئے) آخرت کی (بھلائی) کا خواہاں ہے اور خدا زبردست حکمت والا ہے۔"

مسلمانوں کو اس جنگ میں صرف اتنا حکم دیا گیا تھا کہ کفار کو قتل کریں انکو گرفتار کر کے لانے کا حکم نہ خدا نے دیا تھا اور نہ رسول نے مگر جب کافروں کو شکست ہوئی اور بھاگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا اور بجائے قتل کرنے کے انکو گرفتار کرنے لگے اور مقصود اس سے یہ تھا کہ ان سے فدیہ کی بڑی بڑی رقمیں وصول کریں اگر قتل کر دیں گے تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ جب آنحضرت کے پاس اسیروں کو لائے تو آپ نے سب سے پہلے نضر بن الحرث اور عقبہ بن معیط کو قتل کرا دیا یہ دیکھ کر انصار کو خوف ہوا کہ اگر کہیں اسی طرح تمام کفار کے قتل کا حکم ہو گیا تو سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے لہٰذا عرض کی کہ یا رسول اللہ! لڑائی میں تو ہم نے ان کے ستر آدمیوں کو قتل کر ہی دیا ہے اب کیا یہ منشا ہے کہ انکی اصل ہی منقطع ہو جائے بس مناسب یہ ہے کہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اس پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور بعد میں انکو فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی اجازت دیدی۔

کیونکہ جس وقت لڑائی جاری تھی اس وقت قتل کر دینے سے کوئی الزام وارد نہیں ہوتا لیکن لڑائی ختم ہو جانے کے بعد اسیروں کو قتل کر دینا عام طور سے مشرکین کے نزدیک شدت و فساد پر محمول کیا جاتا اور جذبات عداوت و انتقام زیادہ مشتعل ہو جاتے لہٰذا کریم النفسی کا ثبوت دیکر فتنہ و فساد کے اشتعال عام کو روکنا ضروری تھا۔

لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

اور اگر خدا کی طرف سے پہلے ہی (اسکی معافی کا حکم نہ آچکا ہوتا تو تم نے جو بدرہ کے (قیدیوں کو چھوڑ دینے کے بدلے) فدیہ لیا تھا اس کی سزا میں تم پر عذاب نازل ہو کر رہتا۔"

کفار کی شکست کے بعد جو اموال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے اس پر انہوں نے تصرف کر لیا اور یہ انتظار نہ کیا کہ اس بے اجازت تصرف پر عذاب عظیم نازل کر دیتے۔ آیت کا یہ سبب نزول متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے منجملہ ان کے چند روایتیں یہ ہیں۔

(۱) اخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف و الترمذی و صححہ و النسائی و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ و ابن مردویہ و البیھقی فی سننہ من طریق ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال لما کان یوم بدر تعجل الناس الی الغنائم فاصابوھا قبل ان تحل لھم فقال رسول اللہ ؐ ان الغنیمۃ لا تحل لاحد سوی الرؤس قبلکم کان النبی و اصحابہ اذا غنموا جمعوھا و نزلت نار من السماء فاھلکتھا فانزل اللہ ھذہ الایۃ لولا کتب من اللہ سبق الی اخر الایتین

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں اور نسائی اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابو صالح کے طریق سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ (ابوہریرہ) نے کہا کہ جب جنگ بدر ہوئی تو لوگ غنیمتوں کی طرف جھپٹے اور انکو قبل اسکے کہ حلال کی جائیں تصرف میں لائے اس پر رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ غنیمت سوائے سرداروں کے کسی کے لئے حلال نہیں ہے تم سے پہلے نبی و اصحاب نبی جب غنیمت پاتے تو اسکو اکٹھا کر دیتے تھے اور آسمان سے آگ نازل ہو کر اسکو خاک کر دیتی تھی بس لولا کتب من اللہ سبق الخ نازل ہوا۔

[illegible]

(۲) اخرج اسحٰق بن راھویہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی فی الاوسط وابو الشیخ وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم یعنی غنائم بدر قبل ان یحلھا لھم تقول لولا انی لا اعذب من عصانی حتی اتقدم الیہ لمسکم عذاب عظیم۔

اسحٰق بن راہویہ اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول خدا لولا کتاب من اللہ سبق الخ کے بارے میں نقل کیا ہے یعنی بدر کی غنیمتیں ان کے لئے حلال ہونے سے پہلے کیلئے خدا فرماتا ہے کہ اگر میں اپنی نافرمانی کرنے والے کو آگاہی کے بغیر عذاب کیا ہوتا تو تمکو بڑا عذاب پہونچتا۔

(تفسیر در منثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

"اور (ہاں)، اگر دینی امر میں تم سے مدد کے خواہاں ہوں تو تم پر (انکی) مدد کرنی لازم و واجب ہے مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں (نہیں) جن میں اور تم میں باہم (صلح کا) عہد و پیمان ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا دیکھ رہا ہے۔"

کفار کے ساتھ عہد و میثاق پر قائم رہنے کی تاکید متعدد آیتوں میں کی گئی ہے منجملہ ان کے ایک آیت یہ بھی ہے کہ باوجود غلبہ مسلمانوں کو عہود و مواثیق پر قائم رہنے کی تاکید میں کتنا اہتمام بلیغ ملحوظ رکھا گیا ہے اور ذاتی منفعت کے مقابلہ میں انکے احترام کو ترجیح رکھنا کس طرح واجب و لازم قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ اتنا مشکل امر ہے کہ دنیا کی تمام مدعی تہذیب اقوام اس پر عمل کرنے سے عاجز نظر آتی ہے جسکے شاہد وہ ہزار ہا عہد نامے ہیں جن کے اوراق آئے دن ذاتی و قومی اغراض کے بے درد ہاتھوں سے چاک ہو کر بے وقعتی و بدعہدی کی ہوائے پریشاں میں منتشر نظر آتے ہیں۔ ہم یہاں پر امیر المومنین ؑ کے ایک جواب خط سے جو مالک اشتر کے نام تحریر فرمایا ہے چند سطریں نقل کرتے ہیں جن سے بحد کمال واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلام وفائے عہد کو کتنا لازم قرار دیتی ہے۔

ان عقدت بینک و بین عدوک عقدۃ او البستہ منک ذمۃ فحط عہدک بالوفاء وارع ذمتک بالامانۃ واجعل نفسک جنۃ دون ما اعطیت فانہ لیس من فرائض اللہ شیء الناس اشد علیہ اجتماعا مع تفرق اھوائھم وتشتت آرائھم من تعظیم الوفاء بالعھود وقد لزم ذلک المشرکون فیما بینھم دون المسلمین لما استوبلوا من عواقب الغدر فلا تغدرن بذمتک ولا تخیسن بعھدک ولا تختلن عدوک فانہ لا یجتری علی اللہ الا جاھل شقی وقد جعل اللہ عھدہ وذمتہ امنا افضاہ بین العباد برحمتہ وحریما یسکنون الی منعتہ ویستفیضون الی جوارہ فلا ادغال ولا مدالسۃ ولا خداع فیہ ولا تعقد عقدا تجوز فیہ العلل ولا تعولن علی لحن القول بعد التاکید والتوثقۃ ولا یدعونک ضیق امر لزمک فیہ عھد اللہ الی طلب انفساخہ بغیر الحق فان صبرک علی ضیق امر ترجو انفراجہ وفضل عاقبتہ خیر من غدر تخاف تبعتہ وان تحیط بک من اللہ فیہ طلبۃ فلا تستقیل فیھا

اگر تم نے دشمن سے کوئی معاہدہ کیا ہو یا اسکے لئے کوئی ذمہ داری قبول کی ہو تو دیانت داری کیساتھ معاہدے کی حفاظت اور ذمہ داری کی نگہداشت کرنا، اور اپنی ذات کو اس عہد و پیمان کے تحفظ کیلئے سپر بنا دینا اس لئے کہ واجبات خداوندی میں سے کوئی واجب ایفائے عہد سے زیادہ باعظمت عامۃ الناس کیلئے نہیں ہے (کیونکہ) وہ باوجودیکہ خواہشوں اور نظریوں میں اختلاف رکھتے ہیں پھر بھی اس (وفائے عہد کے) باب میں سختی کیساتھ متحد الخیال ہیں حتی کہ مسلمانوں سے قبل خود مشرکین بھی باہمدگیر اسکے پابند تھے کیونکہ عہد شکنی کے نتائج کے وبال میں پڑ چکے تھے تو خبردار اپنی ذمہ داری اور معاہدہ کو شکستہ اور خیانت زدہ نہ بنانا اور نہ اپنے دشمن کو دھوکا دینا (کیونکہ) یہ خدا کی بارگاہ میں جسارت ہے اور خدا کی بارگاہ میں جسارت صرف بدنصیب جاہل کرتا ہے اور خدا نے اپنے عہد و پیمان کو اپنی رحمت کی بنا پر امن و آسائش بنا کر اپنے بندوں کے درمیان پھیلا دیا ہے اور اسے ایسی جائے پناہ بنا دیا ہے کہ لوگ اسکے استحکام کے سہارے زندگی بسر کرتے اور اسکی ہمسائگی کی بدولت فیض اٹھاتے ہیں لہٰذا معاہدے میں دغل فصل اور دھوکا دھڑی روا نہیں اور ایسا معاہدہ نہ کرنا جسمیں تاویل اور بہانے

کی گنجائش ہو اور تاکید و توثیق عہد نامہ کے بعد اسمیں

دنیاکت دالآخر تک ؛

دورخی بات (غلط پہلو) پر اعتماد نہ کرنا اور معاہدے کی پابندی میں دشواری بلاوجہ

اسکو شکست کر دینے پر تمہیں آمادہ نہ کرے کیونکہ کسی ایسی دشواری پر تمہارا صابر

رہنا جسمیں سہولت اور بہتر نتیجے کی تمکو امید ہو اس عہد شکنی سے کہیں بہتر ہے

جسکے برے نتیجے اور خدا کے ایسے محاسبے کا تمہیں خوف ہو جسکی معافی نہ دنیا میں ہو سکتی

ہے نہ آخرت میں ۔"

سورۃ البرأۃ

بَرَاۤءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖۤ اِلَی الَّذِیۡنَ عَاہَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ؕ

"(اے مسلمانو) جن مشرکوں سے تم لوگوں نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا اب

خدا اور اسکے رسول کیطرف سے ان سے بیزاری ہے ۔"

اس مقام پر چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے ۔

(اول) اس سورۃ کے شروع میں آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نازل نہیں کی گئی اور اسکی وجہ اس روایت سے

معلوم ہوتی ہے ۔

اخرج ابوالشیخ و ابن مردویه عن ابن عباس رضی الله عنهما قال سالت علی بن ابی طالب رضی الله عنه لم لم تکتب فی براءة بسم الله الرحمن الرحیم قال لان بسم الله الرحمن الرحیم امان وبراءة نزلت بالسیف ۔

ابوشیخ اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ براۃ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیوں نہیں لکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان ہے اور براۃ شمشیر زنی کیلئے نازل ہوئی ہے ۔

(تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹)

یہی وجہ آیۃ بسملہ کے نازل نہ ہونے کی تفسیر مجمع البیان میں بھی مروی ہے ۔

(دوم) جس وقت اس سورت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت نے انکی تبلیغ پر حضرت ابوبکر کو معین کر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ فرمایا ابھی وہ کچھ دور پہونچے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور خداوند عالم کا یہ پیام لائے کہ اے رسول! یا خود تبلیغ کرو یا جو شخص تم سے ہو اسکو بھیجو یہ کام تمہاری طرف سے کوئی غیر شخص انجام نہیں دے سکتا ۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم امیرالمومنین علی ابن ابیطالب کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ابھی جاؤ اور ابوبکر سے ان آیتوں کو لیکر مکہ روانہ ہو جاؤ اور انکو مدینہ واپس کر دو ۔ یہ واقعہ محدثین اہل اسلام کی اکثر کتابوں میں مروی ہے چونکہ تمام روایات کا نقل کرنا باعث طوالت ہوگا اس لئے فقط چند روایتوں پر اکتفا کی جاتی ہے ۔

(۱) اخرج عبد بن احمد بن حنبل فی زوائد المسند وابوالشیخ وابن مردویه عن علی رضی الله عنه قال لما نزلت عشر آیات من براءة علی النبی صلعم دعا ابابکر رضی الله عنه لیقراها علی اهل مکة ثم دعانی فقال لی ادرک ابابکر فحیثما لقیته فخذ الکتاب منه ورجع ابوبکر رضی الله عنه فقال یارسول الله نزل فی شیء قال لا ولکن جبرئیل جاءنی فقال لن یؤدی عنک الا انت او رجل منک

(۱) عبد بن حنبل نے زوائد المسند میں اور ابوشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جب برأت کی دس آیتیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں تو آپ نے حضرت ابوبکر کو وہ آیتیں اہل مکہ پر پڑھنے کیلئے بلایا پھر مجھے بلا کے کہا کہ ابوبکر کے پاس جاؤ اور جہاں انکو پاؤ تحریر لے لو ۔ ابوبکر واپس آئے اور کہا کہ یارسول اللہ کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اسے اور کوئی نہیں پہونچا سکتا یا میں خود جاؤں یا اس مرد کو بھیجوں جو مجھ سے ہو ۔

(۲) اخرج ابن مردویه عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث ابابکر رض ببراءة الی اهل مکة ثم بعث علیا رض علی اثره فاخذها منه فکان ابوبکر رض وجد فی نفسه فقال النبی ص یا ابابکر انه لا یؤدی عنی الا انا او رجل منی (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۰۹)

(۲) ابن مردویہ نے سعد بن ابی وقاص سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کو برأت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا پھر علی رض کو ان کے پیچھے روانہ کیا پس علی نے ابوبکر سے وہ سورہ لے لیا ابوبکر کو اس کا رنج ہوا تو نبی صلعم نے فرمایا اے ابوبکر اسکو میں یا میرے گھرانے کا آدمی ہی پہونچا سکے گا ۔

(۳) عن علی قال لما نزلت عشر آیات من براءة

(۳) علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم

maablib.org

علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعی ابابکر فبعثہ
بہا لیقرأہا علی اہل مکۃ ثم دعانی فقال لی ادرک
ابابکر فحیثما لقیتہ فخذ الکتاب فاذہب بہ الی اہل
مکۃ فاقرأہ علیہم فلحقتہ بالجحفۃ فاخذت
الکتاب منہ ورجع ابوبکر فقال یا رسول اللہ
انزل فیّ شیء قال لا ولکن جبرئیل جاءنی
فقال لا یؤدی عنک الا انت او رجل منک
(اخرجہ احمد والنسائی) (ارجح المطالب امرتسری ص ۵۶۲)

پر براءت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے ابوبکر کو بلا کے
اہل مکہ پر وہ آیتیں پڑھنے کیلئے بھیجا پھر مجھ کو بلا کے کہا کہ
ابوبکر کے پاس جاؤ اور جہاں وہ ملیں ان سے تحریر لیکر اہل
مکہ کے پاس لے جاؤ اور انکو پڑھ کر سناؤ پس میں ابوبکر
سے جحفہ میں جا ملا اور میں نے ان سے تحریر لے لی اور ابوبکر
واپس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے بارے میں کچھ
نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میرے پاس جبرئیل
آئے اور کہا کہ تمہاری طرف سے تم خود یا تمہارے گھرانے کا آدمی
ہی پہونچے گا ——"

امام فخر الدین رازی وغیرہ نے جناب ابوبکر کو معزول کر کے امیر المومنینؑ کو خدمت تبلیغ آیات سورۂ براءت پر معین کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ معاہدات کے حل وعقد کے معاملہ میں عرب کی رسم وعادت یہ تھی کہ صاحب معاہدہ خود اس کام کو انجام دیتا یا اپنے اقارب میں سے کسی کو بھیجتا تھا۔ چونکہ آیات سورۂ براءت کو اہل مکہ تک پہونچانے کا مقصد یہی تھا کہ تمام معاہدات سابقہ کے ختم کر دیئے جانے سے انکو مطلع کر دیا جائے اس لئے اگر جناب ابوبکر تشریف لے جاتے تو انکی بات کوئی نہ سنتا لہٰذا آنحضرتؐ نے انکی جگہ پر امیر المومنینؑ کو معین فرمایا تاکہ اہل مکہ کو تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہو سکے۔

غالباً معاملہ فہم اشخاص میری اس رائے سے متفق ہونگے کہ یہ تاویل کئی وجہوں سے درست نہیں ہو سکتی۔

(پہلی وجہ) یہ ہے کہ اگر عرب کی رسم وعادت کا لحاظ کرنا منظور ہوتا تو آنحضرتؐ پہلے ہی امیر المومنینؑ کو اس خدمت کے لئے منتخب فرماتے۔ جناب ابوبکر کو ناحق سفر کی زحمت دینے کی ضرورت کیا تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ جناب ابوبکر کو روانہ کرنے کے وقت آنحضرتؐ کو وہ رسم جاہلیت یاد نہ تھی۔ خدا نے جبرئیل کو بھیجکر یاد دلائی تو یہ ایک کیا بات ہوگی جس کے باور کرنے کے لئے کوئی عاقل دیندار آمادہ نہیں ہو سکتا۔ قطع نظر اس کے کہ رسولؐ کے لئے سہو ونسیان جائز ہے یا نہیں۔ ایسی معمولی رسم وعادت کو جو قوم عرب میں عام طور سے رائج ہو بالکل فراموش کر جانا قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بفرض محال آنحضرت صلعم اس کو بھول گئے ہوتے تو ابوبکر یا کوئی دوسرے بزرگوار حضر در منتبہ

کر دیتے چونکہ کسی نے اس وقت اس رسم وعادت کا تذکرہ نہیں کیا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کی طرح حضرات صحابہ بھی فراموشی کے عالم میں تھے۔ حالانکہ اتنے مجمع کثیر کا یکبارگی سہو ونسیان میں مبتلا ہو جانا ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خاصکر ایسی بات کی بابت جو حد عموم وشہرت کو پہنچکر قومی رواج اور ملکی رسم وعادت بن گئی ہو۔ علاوہ اس کے خداوند عالم کی طرف سے مخصوص طور سے جبرئیل امین کا محض اس لئے بھیجا جانا کہ ایک فراموش شدہ رسم جاہلیت کی یاد دہانی کریں کسی طرح باور کئے جانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

(دوسری وجہ) خداوند عالم کے اس پیام "لا یؤدی عنک الا انت او رجل منک" کا یہ محصل کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ رسم وعادت عرب کے مطابق ان آیتوں کو یا تو خود پہونچاؤ یا کسی ایسے شخص کو بھیجو جو تم سے ہو۔ اگر کسی غیر کو بھیجو گے تو اہل مکہ اس کی تبلیغ تسلیم نہ کریں گے بلکہ اس پیام کی لفظوں سے بھی یہی مطلب صاف طور سے واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے فرائض یا تو خود ادا کرو یا ایسے شخص کو بھیجو جو تمہاری جیسی صلاحیت رکھتا ہو۔ تیسرا شخص ان کو ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

(تیسری وجہ) اس وقت آنحضرت صلعم کو کفار مکہ سے کوئی معاہدہ کرنا مقصود نہ تھا تاکہ ان کی رسم ورواج کی رعایت کر کے رضامندی کا حاصل کرنا ضروری ہوتا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ معاہدہ کو تسلیم نہ کرتے۔ بلکہ اہل مکہ کو فقط اس امر پر مطلع کرا دینا مقصود تھا کہ ان کی خیانت وبیوفائی کی وجہ سے تمام معاہدات سابقہ ختم کر دیئے گئے۔ اب کسی کی پابندی ہماری طرف سے بھی نہیں کی جائیگی اور ظاہر ہے کہ فسخ معاہدات کی خبر پہونچانے کے لئے کسی رسم وعادت کی رعایت کرنا ضروری نہ تھا اور نہ اسکی حاجت تھی کہ اہل مکہ اس کو تسلیم بھی کر لیں۔ جن آیتوں کی تبلیغ کا معاملہ درپیش تھا اس کی لفظیں خود صاف طور سے ظاہر کر رہی تھیں کہ اب اہل مکہ سے کوئی رو رعایت نہ کیجائے گی۔ اور درحقیقت اسی بات پر ان کو آگاہ کر دینا مقصود تھا۔ جسطرح کی رو رعایت ختم کر دینے کی خبر سنانے میں ان کے کسی قاعدہ کی رعایت کرنے کی حاجت نہ تھی۔ اور نہ ان کو تسلیم کرنے اور نہ کرنے پر التفات کرنے کی ضرورت۔ فریب ودغا کے انصرام سے بچنے کے لئے ان کو محض مطلع کر دینا لازم تھا خواہ وہ اپنے کسی قرابتدار کے ذریعہ ہوتا یا کسی غیر قرابتدار کے واسطے سے۔

(سوم) اس آیت میں "الی الذین عاہدتم من المشرکین" سے وہ مشرکین مراد ہیں جنھوں نے عہد وپیمان کو پورا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اوس کے برخلاف فتنہ انگیزی کیا کرتے تھے۔ چونکہ خود انھوں نے معاہدہ کی پابندی نہیں کی تھی۔ اس لئے مسلمانوں پر بھی از روئے اخلاق اس پر قائم رہنا ضروری نہیں رہ گیا تھا باقی جن کفار نے اپنے معاہدات کا احترام کیا تھا اون کی بابت دوسری آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ہوا۔ "الا الذین عاہدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاہروا علیکم احداً"

فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم "مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا ہے پھر انھوں نے اس میں کوئی کوتاہی تم سے نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے عہد و پیمان کو جتنی مدت کے واسطے مقرر کیا ہے پورا کرو"

امیر المومنینؑ نے مکہ میں پہنچ کر جن باتوں کا اعلان فرمایا وہ اس روایت سے واضح ہوتی ہیں۔

(چہارم) عن زید بن نقیع قال سألنا علیا بای شیء بعثت فی ذی الحجة قال بعثت باربعة لا یدخل الکعبة الا نفس مومنة ولا یطوف بالبیت عریان ولا یجتمع مومن وکافر فی المسجد بعد عامه هذا ومن کان بینه وبین رسول اللهؐ عهد فعهده الی مدته ومن لم یکن له عهد فاجله اربعة اشهر۔

"زید بن نقیع سے مروی ہے کہ ہم نے علیؑ سے دریافت کیا کہ آپ ذی الحجہ میں کس چیز کے لئے بھیجے گئے تو آپؑ نے فرمایا کہ چار باتوں کے لئے کعبۂ میں صرف مومن داخل ہو سکے گا اور کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے گا۔ اور اس سال کے بعد مومن و کافر مسجد الحرام میں اکٹھا نہ ہو سکیں گے اور جس سے رسول خداؐ سے معاہدہ ہوا ہے وہ اپنی مدت تک کے لئے ہے اور جس سے عہد نہیں ہے اس کی مدت چار ماہ ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔

"اور اے رسولؐ اگر مشرکین میں سے تم سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سُن لے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہونچا دو۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ نادان ہیں"

یہ آیت اسلامی حمیت اور رعایت قوانین اخلاق کو واضح طور سے ثابت کرتی ہے اگرچہ بدعہد مشرکین کے قتل کرنے کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ اگر اون میں سے کوئی شخص امان مانگے تو امان دیدو اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو اس کی جائے امان تک پہونچا دو تاکہ جان و مال کے تلف ہو جانے کا خطرہ اسکو لاحق نہ رہے۔ اور اس بات کا خیال رکھو کہ یہ نادان قوم ہے جہاں تک نرمی و مہربانی سے راہ راست پر لائی جائے بہتر ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

"(جب) مشرکین (نے خود عہد شکنی کی تو ان) کا کوئی عہد و پیمان خدا کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے۔ مگر جن لوگوں سے تم نے خانۂ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو وہ لوگ (اپنا عہد و پیمان) تم سے قائم رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے (اپنا عہد) قائم رکھو بیشک خدا (بدعہدی سے) پرہیز کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

(۱) مقصود یہ ہے کہ جب ان مشرکین نے خود معاہدہ کی پابندی نہ کی تو اب خدا اور رسولؐ پر اس کا لحاظ کرنا کیونکر لازم ہو سکتا ہے۔

(۲) کتاب سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے کہ جو عہد نامہ بروز حدیبیہ لکھا گیا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ عرب قبائل میں جس قبیلہ کا منشا ہو وہ قریش کے عہد میں داخل ہو جائے۔ اور جس کو پسند ہو وہ آنحضرتؐ کے عہد میں شامل ہو جائے۔ اور اس صورت میں جو قبیلہ قریش کا شریک ہوگا۔ ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی جو قریش نے قبول کی تھی۔ اور جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہوگا اس کو ان شرائط کو پورا کرنا ہوگا جو آنحضرت نے اپنے لئے تسلیم کر لئے تھے۔ چنانچہ بنی بکر کا قبیلہ قریش کے ساتھ ہوا اور قبیلہ خزاعہ نے آنحضرتؐ کے عہد میں داخل ہونا قبول کیا۔ پس عہد نامے کے لحاظ سے بنی بکر پر لازم ہو گیا تھا کہ خزاعہ کے خلاف کوئی مخاصمانہ کارروائی نہ کرتے اسی طرح قریش بھی پابند ہو گئے تھے کہ ان کے خلاف چھیڑ چھاڑ سے باز رہتے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر چڑھائی کی اور قریش نے ان کا ساتھ دیا۔ لہٰذا وہ عہد نامہ جس کی پابندی انھوں نے اپنے ذمہ لی تھی اون کے حق میں بالکل بے کار ہو گیا۔ لیکن کچھ قبیلے ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے ترتیب معاہدات کے وقت قریش کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس وقت میں اپنے عہد کا لحاظ کر کے قریش کے ساتھ ہو کر بنی بکر کی امداد سے باز رہے پس خداوند عالم نے بھی اس اعلان عام میں جو فسخ معاہدات کے متعلق فرمایا تھا۔ الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام۔ فرما کر اون کو مستثنیٰ کر دیا۔

اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جب تک یہ لوگ اپنے عہد میں قائم رہیں تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔ وفائے عہد کی تاکید
کلام الٰہی و احادیث رسولؐ میں اتنی سختی کے ساتھ کی گئی ہے جس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتی آنحضرت صلعم ایک
حدیث میں یہانتک فرمایا ہے کہ "جو شخص معاہدات کا احترام نہیں کرتا وہ بے دین ہے"

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی آبادی کو اس شخص کے ہمسر بنا دیا ہے۔ جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے اور خدا کی راہ میں جہاد کیا خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں۔ اور خدا ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے"

مولوی عبید اللہ امرتسری کتاب ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:۔

اخرج ابو حاتم وابو الشیخ وعبد الرزاق وابن ابی شیبہ وابن جریر وابن مندہ والثعلبی فی تفسیرہ والواحدی فی کتابہ المسمی باسباب النزول والقرطبی وابن اثیر فی جامع الاصول والنسائی فی سننہ والسیوطی فی الدر المنثور والحافظ ابو نعیم فی فضائل الصحابۃ قالوا ان علیا والعباس وطلحۃ ابن ابی شیبۃ افتخروا فقال طلحۃ انا صاحب البیت مفتاحہ بیدی ولو شئت کنت فیہ فقال العباس انا صاحب السقایۃ والقائم علیھا فقال علیؓ لا ادری لقد صلیت

"ابو حاتم اور ابو الشیخ اور عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن مندہ نے اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں اور قرطبی نے اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور نسائی نے اپنی سنن میں اور سیوطی نے در منثور میں اور حافظ ابو نعیم نے فضائل الصحابہ میں نقل کیا ہے ان سب نے لکھا ہے کہ علیؑ اور عباسؓ اور طلحہ بن ابی شیبہ نے باہم مفاخرت کی۔ پس طلحہ نے کہا میں مالک خانہ کعبہ ہوں۔ اس کی کنجی میرے قبضہ میں ہے اگر میں چاہوں تو اس میں رہوں عباس نے کہا میں سقایہ (زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے) کا مالک ہوں

ستۃ اشھر قبل الناس وانا صاحب الجھاد فی سبیل اللہ فانزل اللہ تعالیٰ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام الاٰیۃ (ارجح المطالب صہ۵۱۷)

اور اس پر متعین ہوں حضرت علی نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے تمام لوگوں سے چھ ماہ پہلے سے نماز پڑھی ہے اور میں راہ خدا میں جہاد کرنیوالا ہوں۔ پس خدا تعالیٰ نے اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کی آیت نازل فرمائی

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ

خدا نے تمہاری بہت سے مقامات پر (غیبی) امداد کی اور (خاص کر) جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت (تعداد) نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی کام میں نہ آئی اور (تم ایسے گھبرائے کہ) زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔۔"

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے یہاں جو جنگ واقع ہوئی اسکا سبب یہ ہوا کہ جب قبیلہ ہوازن وثقیف کے سرداروں کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے قریش کو مغلوب کر لیا اور مکہ فتح ہو گیا تو بغض وحسد کی آگ جو پہلے ہی ان کے سینوں میں تھی بھڑک اٹھی، اور متفکر ہوئے کہ کہیں لشکر اسلام انکی طرف رخ نہ کرے غرض سب کے سب اپنے رئیس مالک بن عوف النضری کے پاس جمع ہوئے اور وہاں طے پایا کہ قبل اسکے مسلمانوں کو ہم پر فوج کشی کا خیال ہو ہماری فوج انپر ٹوٹ پڑے۔ اور انکی ساری قوت کا خاتمہ کر دے انھیں سرداروں میں درید بن الصمہ ایک پیر نابینا تجربہ کار بھی موجود تھا اس نے اس رائے سے مخالفت کی اور کہا کہ ایسا نہ کرو ورنہ فضیحت ومصیبت میں پڑ جاؤگے تمہارے مال ومتاع عورات واطفال دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے۔ مگر وہ لوگ بغض وعداوت میں ایسے اندھے ہو رہے تھے کہ مآل کار سوچا ہی نہ دیا اور چار ہزار جوانوں کا لشکر پورے ساز وسامان کے ساتھ لیکر روانہ ہو گئے۔ مالک بن عوف النضری اس لشکر کا قائد تھا عورتوں اور بچوں کو بھی رسم عرب کے مطابق ساتھ لے لیا تھا تاکہ وہ بوقت حرب غیرت دلا کر لڑائی پر ابھارتے رہیں جب انکی فوج کشی کی اطلاع آنحضرت کو ہوئی تو فرمایا کہ انشاء اللہ یہ سب ساز وسامان اہل اسلام کے قبضے میں آئیگا اور بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر ہمراہ لیکر کفار کے مقابلہ کیلئے نکلے جس وقت دونوں لشکر مقابل ہوئے تو حضرت ابو بکر یا کسی اور صحابی نے اپنے لشکر کی کثرت اور کفار کی قلت دیکھ کر کہا کہ آج تو ہم کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتے ہماری فتح ضرور ہو گی یہ عجب وغرور سے بھرا ہوا کلام جو محض دنیوی اسباب پر اعتماد کر کے کیا گیا تھا۔ قلب مبارک پر نہایت شاق گذرا اور خداوند عالم کو بھی ناپسند ہوا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو کفار کی وہ فوج جو کمین گاہوں میں چھپی بیٹھی تھی۔ اور جو تیر اندازی میں پوری مہارت رکھتی تھی یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی اور اس کثرت سے تیر برسانے لگی کہ مسلمان گھبرا گئے اور میدان جنگ میں ثابت قدم نہ رہ سکے صرف اہلبیت میں نو آدمی آنحضرت کے پاس رہ گئے باقی جملہ مجاہدین تتر بتر ہو گئے پہلے تو آپ خود ان بھاگنے والوں کو پکارتے رہے کہ اے بندگان خدا کہاں جاتے ہو میں خدا کا رسول ہوں مجھے یقین ہے کہ اسکا وعدہ غلط نہ ہو گا تمہاری فتح یقینی ہے

مگر جب کسی نے مڑ کے بھی نہ دیکھا تو جناب عباس سے فرمایا کہ ان الفاظ سے انکو پکاریں "یا اصحاب سورۃ البقرہ یا اہل بیعۃ الشجرۃ الیٰ این تفرون ھذا رسول اللہ" چونکہ جناب عباس بلند آواز آدمی تھے اس لیے انکی چیخ و پکار لوگوں کے کانوں تک پہونچی، اور سب کے سب پلٹے اور دوبارہ کفار پر حملہ آور ہوئے ادھر فرشتے بھی مدد کے واسطے آگئے۔ غرض لشکر اسلام ظفریاب ہوا اور بہت سے کفار قتل و اسیر ہوئے، مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔ خدا نے اسی موقع کی بدحواسی اور فرار کو اس آیت میں یاد دلایا ہے اور مسلمانوں کو جتایا ہے کہ اسی کی نصرت کی وجہ سے تمکو فتح نصیب ہوئی تھی ورنہ تم تو ایسے گھبرا کے بھاگے تھے کہ زمین باوجود وسعت کے تمہارے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ بھاگنے کیلئے راہ نہ ملتی تھی۔ اکثر علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ در اصل مسلمانوں کے شکست کے باعث وہی کلمات عجب و غرور ہوئے تھے جو شان توکل علی اللہ کے بالکل خلاف تھے۔ خدا نے شروع میں اپنی مدد نہیں بھیجی تاکہ جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ انکی جمعیت اور قوت حصول فتح کیلئے کافی ہو جاویگی۔ ان پر ظاہر ہو جائے کہ بغیر نصرت الٰہی کچھ بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

ثم قال فلم تغن عنکم و معنی الاغناء اعطاء ما یدفع الحاجۃ فقولہ لم تغن عنکم شیئاً ای لم تعطکم شیئاً یدفع حاجتکم و المقصود من ھذا الکلام ان اللہ تعالیٰ اعلمھم انھم لا یغلبون بکثرتھم و انما یغلبون بنصر اللہ فلما اعجبوا بکثرتھم صاروا منھزمین

پھر باری تعالیٰ نے فرمایا فلم تغن عنکم اور اغناء کے معنی ہیں اتنا دینا جو حاجت پوری کر دے لہذا خدا کا قول لم تغن عنکم شیئاً کے یہ معنی ہیں کہ "تمکو اتنا نہیں دیا جو تمہاری حاجت روائی کر دے اور اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ خدا نے انکو یہ بتلایا کہ وہ اپنی کثرت کے ذریعہ غالب نہ ہونگے بلکہ خدا کی مدد سے غالب ہونگے پس جب انہوں نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تو شکست کھائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

اے ایماندارو! مشرکین تو نرے نجس ہیں تو اب وہ اس سال کے بعد مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے پاس پھر نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو تو عنقریب ہی خدا تم کو اگر چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیگا۔ بیشک خدا بڑا واقف کار اور حکمت والا ہے"

امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (جلد ۴ صفحہ ۶۱۳ مطبوعہ مصر)

المسئلۃ الثانیۃ قال الاکثرون لفظ المشرکین یتناول عبدۃ الاوثان و قال قوم بل یتناول

دوسرا مسئلہ۔ اکثر حضرات نے کہا ہے کہ مشرکین کی لفظ بت پرستوں کو مشتمل ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے "بلکہ تمام

جمیع الکفار و قد سبقت ھذہ المسئلۃ و صححنا ھذا القول بالدلائل الکثیرۃ و الذی یفید ھھنا التمسک بقولہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء و معلوم انہ باطل۔ المسئلۃ الثالثۃ قال صاحب الکشاف النجس مصدر یقال نجس نجساً و قذر قذراً و معناہ ذو نجس و قال اللیث النجس الشیء القذر من الناس و من کل شیء و رجل نجس و قوم انجاس و لغۃ اخریٰ رجل نجس و قوم نجس و فلان نجس و رجل نجس و امرأۃ نجس و اختلفوا فی تفسیر کون المشرک نجساً نقل صاحب الکشاف عن ابن عباس ان اعیانھم نجسۃ کالکلاب و الخنازیر و عن الحسن من صافح مشرکاً توضأ و ھذا ھو قول الھادی من ائمۃ الزیدیۃ و اما الفقھاء فقد اتفقوا علی طھارۃ ابدانھم و اعلم ان ظاھر القرآن یدل علی کونھم انجاساً فلا یرجع عنہ الا بدلیل منفصل و لا یمکن ادعاء الاجماع فیہ لما بینا ان الاختلاف فیہ حاصل و احتج القاضی علی طھارتھم بما روی ان النبی صلعم شرب من اوانیھم و ایضاً لو کان جسمہ نجساً لما تبدل ذلک بسبب الاسلام و القائلون بالقول الاول اجابوا عنہ بان القرآن اقویٰ من خبر الواحد و ایضاً فبتقدیر صحۃ الخبر وجب ان یحمل شربہ من اوانیھم کان متقدماً علی نزول ھذہ الآیۃ و بیانہ من وجھین الاول ان ھذہ السورۃ من آخر ما نزل من القرآن و ایضاً کانت المخالطۃ مع الکفار جائزۃ فحرمھا اللہ تعالیٰ و کانت المعاھدات

کفار کو مشتمل ہے" اور یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے اور ہم نے اسی قول کو بہت سی دلیلوں سے ثابت کیا ہے اس موقع پر خدا کے قول ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء سے تمسک کرنا فائدہ مند ہے مگر معلوم ہے کہ یہ باطل ہے۔ تیسرا مسئلہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ النجس نجس نجساً بمعنی قذر و قذراً کا مصدر ہے اور اسکا معنی نجاست والا ہے۔ اور لیث نے کہا ہے کہ نجس انسان اور ہر شے کی گندی چیز ہے اور لفظ نجس کا اطلاق واحد اور جمع اور مذکر و مونث پر یکساں ہوتا ہے۔ اور مشرک کے نجس ہونے کی تفسیر میں اختلاف ہے صاحب کشاف نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ کتے اور سور کی طرح نجس العین ہیں اور حسن سے مروی ہے کہ جو مشرک سے مصافحہ کرے وہ وضو کرے اور یہی زیدیہ کے اماموں میں سے ہادی کا قول ہے لیکن فقہا ان کے بدن کی طہارت پر متفق ہیں۔ اور جاننا چاہیئے کہ ظاہر قرآن انکے نجس ہونے پر دلالت کرتا ہے لہذا اس سے بازگشت کسی جداگانہ دلیل کے بغیر نہ ہوگی اور اس پر اجماع کا دعویٰ ممکن نہیں۔ کیونکہ ہم نے واضح کر دیا کہ اسمیں اختلاف موجود ہے اور قاضی نے انکی طہارت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان برتنوں سے پانی پینے والی روایت سے حجت قائم کی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر اسکا جسم نجس ہوگا تو اسلام کے ذریعہ سے کیسے تبدیل ہو جائیگا اور قول اول کے قائلین نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ قرآن خبر واحد سے کہیں زیادہ قوی ہے۔ اور بالفرض اگر خبر کو صحیح مان لیا جائے تو ضروری ہے کہ انکے برتنوں سے پینے کی حلت اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رہی ہو۔ اور یہ دو دلیلوں سے واضح ہے اول یہ کہ یہ سورۃ سب کے آخر میں نازل

maablib.org

معهم حاسلة فان الهاالله فلا يبعد ان يقال
ايضا الشرب من اوانيهم كان جائزة فحرمه الله
تعالى الثانى ان الاصل حل الشرب من اى اناء
كان فلو قلنا انه حرم بحكم الاية ثم حل بحكم الخبر
فقد حصل نسخان اما اذا قلنا انه كان حلالاً
بحكم الاصل والرسول شرب من آنيتهم بحكم
الاصل ثم جاء التحريم بحكم هذه الآية لم يحصل
النسخ الا مرة واحدة فوجب ان يكون هذا اولى
اما قول القاضى لو كان الكافر نجس الجسم لما تبدلت
النجاسة بالطهارة بسبب الاسلام فجوابه انه
قياس فى معارضة النص الصريح ايضا ان
اصحاب هذه المذاهب يقولون ان الكافر
اذا اسلم وجب عليه الاغتسال لازالة للنجاسة
الحاصلة بحكم الكفر فهذه التقرير هذا القول واما
جمهور الفقهاء فانهم حكموا بكون الكافر طاهراً
فى جسمه ثم اختلفوا فى تاويل هذه الاية على وجوه
الاول قال ابن عباس وقتادة معناه انهم لا
يغتسلون من الجنابة ولا يتوضؤن من الحدث
والثانى المراد انهم بمنزلة الشخص النجس
فى وجوب النفرة عنه الثالث ان كفرهم الذى
هو صفة لهم بمنزلة النجاسة الملتصقة بالشىء
واعلم ان كل هذه الوجوه عدول عن الظاهر بغير
دليل - المسئلة الرابعة قال ابوحنيفة واصحابه
اعضاء المحدث نجسة نجاسة حكمية وبنوا عليه
ان الماء المستعمل فى الوضوء والجنابة نجس ثم
روى ابويوسف رحمه الله تعالى انه نجس نجاسة

ہوئی ہے پہلے کفار سے میل جول جائز تھا پس اسکو خدا نے
حرام کر دیا اور ان سے معاہدات تھے انکو خدا نے ختم کر دیا
پس بعید نہیں کہ یہ کہا جائے کہ ان برتنوں سے پہلے پینا
جائز تھا پھر خدا نے اسکو حرام کر دیا۔ دوسری دلیل یہ ہو کہ
کسی بھی برتن سے پینے کی حلت اصل ہے پس اگر ہم یہ کہیں
کہ وہ آیت کے حکم سے حرام کیا گیا۔ اس کے بعد خبر کے حکم سے
حلال ہو گیا تو دو نسخ حاصل ہو جائیں گے لیکن جب ہم انکے
قائل ہوں گے کہ وہ بحکم اصل حلال تھا اور رسول نے بحکم
اصل ان برتنوں سے پیا پھر اس کے بعد مذکورہ آیہ کے
حکم سے حرمت آگئی تو ایک نسخ حاصل ہو گا پس ایک نسخ کا
دو نسخ سے اولیٰ ہونا ظاہر ہے لیکن قاضی کا یہ کہنا کہ اگر کافر کا
جسم نجس ہو گا تو اسلام لانے سے نجاست طہارت سے کیسے
تبدیل ہو گی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ نص صریح کے مقابلہ میں
قیاس محض ہے علاوہ ازیں اس مذہب والے اسکے قائل ہیں کہ
کافر جب اسلام لائے تو حکم کفر سے جو نجاست حاصل ہے اسکے
دور کرنے کیلئے اس پر غسل کرنا واجب ہے یہ تو اس قول کا ثبوت
تھا لیکن جمہور فقہاء نے کافر کے بدن کے پاک ہونے کا حکم کیا ہے
پھر اس آیہ کی تاویل میں چند طرح پر اختلاف کیا ہے۔ پہلی وجہ
ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کفار
نہ جنابت سے غسل کرتے ہیں اور نہ وضو کرتے ہیں۔ دوسری وجہ
مراد یہ ہے کہ نفرت کے واجب ہونے میں وہ کفار نجس شخص کی
حیثیت رکھتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کا وہ کفر جو انکی صفت
ہے اس نجاست کی طرح ہے جو کسی چیز کو چمٹ گئی ہو (اسکے بعد
امام رازی فرماتے ہیں۔ اگر یہ تمام وجہیں بغیر کسی دلیل کے ظاہر
سے ہٹ جانے کے مرادف ہیں۔ چوتھا مسئلہ ابو حنیفہ اور انکے
اصحاب نے کہا ہے کہ محدث کے اعضا حکماً نجس ہیں اسکی بنیاد پر

حنیفة وروى الحسن ابن زياد انه نجس نجاسة غليظة و
روى محمد بن الحسن ان ذلك الماء طاهر واعلم ان
قوله تعالى انما المشركون نجس يدل على فساد هذا القول
لان كلمة انما للحصر وهذا يقتضى ان لا نجس الا
المشرك فالقول بان اعضاء المحدث نجسة مخالف
لهذا النص والعجب ان هذا النص صريح فى ان المشرك
نجس وفى ان المؤمن ليس بنجس ثم ان قوما قلبوا القضية
وقالوا المشرك طاهر والمؤمن حال كونه محدثا او جنبا
نجس وزعموا ان المياه التى استعملها المشركون فى
اعضائهم بقيت طاهرة مطهرة والمياه التى يستعملها
اكابر الانبياء فى اعضائهم نجسة نجاسة غليظة
وهذا من العجائب ::

کہا ہے کہ جو پانی وضو اور جنابت میں استعمال ہوتا ہے وہ نجس ہوتا ہے
پھر ابو یوسف نے یہ روایت کی ہے کہ وہ حقیقۃً نجس ہے اور حسن
بن زیاد نے روایت کی ہے کہ وہ نہایت درجہ نجس ہے اور محمد بن الحسن
نے یہ روایت کی ہے کہ وہ پانی پاک ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قول خدا
اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ اس قول کے فاسد ہونے پر دلالت کرتا ہے
چونکہ کلمہ اِنَّمَا حصر کیلئے ہے اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ فقط مشرک
نجس ہے پس محدث کے اعضاء کو نجس کہنا اس نص کے مخالف ہے
اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ نص صریح ہے کہ مشرک نجس ہے اور
مومن نجس نہیں مگر قوم نے قضیہ ہی الٹ دیا اور کہا کہ مشرک پاک ہے
اور مومن محدث یا مجنب ہونے کی صورت میں نجس ہے اور یہ گمان
کیا ہے کہ وہ پانی جسکو مشرکین نے اپنے اعضا کے دھونے میں استعمال
کیا ہے طاہر اور مطہر رہیگا۔ اور وہ پانی جسکو اکابر انبیاء نے اپنے اعضاء
کے دھونے میں استعمال کیا ہے وہ نہایت درجہ نجس ہو گا۔ اور یہ
عجائبات میں سے ہے ::

اس مفصل تحریر سے ثابت ہوا کہ مشرکین کے اجسام نجس ہیں۔ اور تمام کفار بھی اسی حکم میں ان کے شریک ہیں۔ اور ان کی
ن پر یہ آیت نص صریح ہے جب تک ایسی ہی کوئی دلیل نہ مل جائے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ نیز جن
نے اجسام مشرکین کی طہارت کا قول اختیار کیا ہے۔ ان کے تمام دلائل نسج عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں اور جتنی
یہ بہار کہ کی فقہائے ملت نے اس غرض سے کی ہیں کہ ان کا قول درست ثابت ہو جائے وہ سب کی سب
سے خالی اور قیاس پر مبنی ہیں جو نص صریح قرآنی کا معارض بنایا گیا ہے۔ بس امام رازی کی یہ تحریر نجاست مشرکین
اور ان کے مخالف اقوال کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے ہم کو اس کے بعد قائلین طہارت کے مقابلہ میں
مزید کاوش کی ضرورت نہیں۔ فقط ایک روایت سیرۃ ابن ہشام سے نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے
ہوتا ہے کہ ازواج رسول کے نزدیک مشرکین کی نجاست کا مسئلہ حد ثبوت کو پہونچا ہوا تھا۔ اور اس سختی سے
کیا جاتا تھا کہ ام المومنین ام حبیبہ نے اپنے باپ ابو سفیان کے ساتھ بھی باوجود اس کے کہ وہ بطور مہمان کے
پاس آئے کوئی رعایت و مروت روا نہ رکھی۔ وہ روایت یہ ہے :۔

خرج ابوسفيان حتى قدم على رسول الله صلعم المدينة
فدخل على ابنته ام حبيبة بنت ابى سفيان فلما ذهب

"ابو سفیان مکہ سے روانہ ہو کر پیغمبر اسلام کی خدمت میں مدینہ
آیا۔ جب اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسول کے پاس گیا اور چاہا کہ

لیجلس علی فراش رسول اللہ صلعم طوتہ عنہ فقال یا بنیۃ ما ادری ارغبت بی عن ھذا الفراش ام رغبت بہ عنی قالت بل ھو فراش رسول اللہ صلعم وانت رجل مشرک نجس ولم احب ان تجلس علی فراش رسول اللہ صلعم قال واللہ لقد اصابک یا بنیۃ بعدی شر (انتہی بقدر الحاجۃ)

(سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد جلد ۲ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۸)

پیغمبر کے بستر پر بیٹھے تو ام حبیبہ نے اس بستر کو لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ بیٹی میں نہیں سمجھ سکا کہ تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا، یا میری بے پروائی کی ہے یا مجھ سے بے التفاتی کی؟ انھوں نے کہا کہ یہ رسول کا بستر ہے اور آپ ایک مشرک اور نجس انسان ہیں۔ میں پسند نہیں کرتی کہ بستر رسول پر آپ تشریف رکھیں۔ ابوسفیان نے کہا بخدا مجھ سے چھوٹنے کے بعد تجھ میں شر آگیا۔ الخ

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صٰغِرُونَ ۝ ۲۹/۱ توبہ

"اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ (دل سے) خدا ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ خدا اور اس کے رسولؐ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ سچے دین ہی کو اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ وہ لوگ ذلیل ہو کر (اپنے) ہاتھ سے جزیہ دیں۔"

(۱) ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اقوال کی بنا پر مجوس بھی اہل کتاب میں داخل ہیں اس لئے کہ خدا نے ان کی طرف بھی ایک صاحب کتاب کو مبعوث کیا تھا جن کو ان لوگوں نے قتل کر دیا۔

(۲) علل الشرائع وغیرہ میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے:۔

انہ سئل عن النساء کیف سقطت الجزیۃ ورفعت عنھن فقال لان رسول اللہ نھی عن قتل النساء والولدان فی دار الحرب الا ان تقاتل وان قاتلت ایضاً فامسک عنھا ما امکنک ولم تخف خللاً فلما نھی عن قتلھن فی دار الحرب کان ذلک فی دار الاسلام اولی ولو امتنعت ان تؤدی الجزیۃ لم یمکن قتلھا فلما لم یمکن قتلھا رفعت

"آپ سے دریافت کیا گیا کہ عورتوں سے جزیہ کیوں ساقط ہوا اور کیسے ہٹا تو آپ نے فرمایا چونکہ رسول اللہؐ نے دار الحرب میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ وہ خود قتال پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ایسا کریں تو بھی تا امکان ان سے جنگ نہ کرنا۔ پس جب پیغمبرؐ نے دار الحرب میں ان کے قتل کرنے سے روک دیا تو دار الاسلام میں بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور اگر وہ (عورتیں) جزیہ نہ دیں تو ان کا قتل کرنا

عنھا ولو امتنع الرجال وابوا ان یؤدوا الجزیۃ کانوا ناقضین للعھد وحلت دماھم وقتلھم لان قتل الرجال مباح فی دار الشرک وکذلک المقعد من اھل الشرک والذمۃ والاعمی والشیخ الفانی والمرأۃ والولدان فی دار الحرب فمن اجل ذلک رفعت عنھم الجزیۃ۔

ممکن نہیں پس جب ان کا قتل ممکن ہی تو ان سے جزیہ بھی برطرف ہو گیا، اور اگر مرد باز رہیں اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں تو وہ عہد شکن ہو جائیں گے اور انکا قتل کرنا حلال ہو جائیگا۔ کیونکہ دار الشرک میں مردوں کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح اپاہج اہل شرک کے اور اہل ذمہ کے اپاہج اور نابینا اور بہت بوڑھے مرد اور دار الحرب کی عورت سے قتال نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے ان سے جزیہ برطرف کر دیا گیا ہے۔"

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام نے اپنے پیروؤں کو اسکی اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے مذہب کی محبت کے جوش میں حد اعتدال سے باہر ہو جائیں اور ایسے تشدد والے دیگر مذاہب والوں پر کر گذریں جو قانون اور انسانی ہمدردی کے خلاف ہیں۔ اور یہ احکام اس عہد میں نافذ کئے گئے تھے جسمیں عالم قواعد عدل و انصاف سے ناآشنا تھا۔ مذہب کی محبت اور اغراض نفسانی کے جنون میں ہر قسم کے وحشیانہ ظلم و جور روا سمجھتے تھے، جاہل خونخوار اقوام کا تو ذکر ہی کیا یہ رومیوں کی تواریخ بھی ایسے افسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔ جو اس عہد کی بڑی اور مہذب و متمدن قوم تھی۔ لہٰذا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ عدل و انصاف اور احترام نوع انسانی کا آفتاب اسلام ہی سے طالع ہوا اور اسی کی شعاعوں سے عالم میں نور تہذیب پھیلا۔

(۳) اگرچہ شریعت اسلام نے اہل کتاب کو جزیہ دینے پر مجبور کیا اور اسی طرح بظاہر انکو اہل اسلام کے سامنے ذلیل کیا لیکن درحقیقت اسکے عوض میں وہ تمام حقوق ان کو عطا کیے گئے جو دنیا کی متمدن و مہذب قوم کسی قوم کو دے سکتی ہے اہل کتاب کے ذمے جس رقم کا ادا کرنا لازم قرار دیا گیا اسکو خراج کہو یا کسی اور صورت وہ بمنزلہ اس خراج کے ہے جو زکوٰۃ و خمس کے نام سے مسلمانوں پر عائد کیا گیا ہے اور اس کے عوض میں مسلمانوں نے ان کے جان و مال کے تحفظ کی شرط اسی طرح اپنے ذمہ لی جسطرح وہ مسلمانوں کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے مذہبی و قومی رسوم کو عمل میں لانے کی آزادی عطا کی، البتہ یہ شرط لگا دی کہ مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں اور ان افعال کا بالاعلان ارتکاب نہ کریں جو قوانین الٰہیہ کی رو سے مسلمانوں کے لئے ممنوع و حرام قرار دئے گئے ہیں مثلاً شراب خواری و زناکاری وغیرہ وغیرہ اور مقتضائے حکمت و سیاست یہی تھا کہ ان کو ایسے افعال قبیحہ کے علانیہ ارتکاب کی اجازت نہ دی جاتی کیونکہ ان سے عامہ ناس کے اخلاق پر خراب اثر پڑتا اور مسلمانوں کو روحانی اذیت ہوتی۔ الغرض چند مخصوص قیود و شرائط کے سوا دیگر مناسب حقوق میں خلل اندازی نہیں کی گئی اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا برتاؤ کریں اور رقم جزیہ کے سوا انکے اموال پر دست درازی حرام ہے چنانچہ جب امام باقر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ اہل ذمہ سے مال اور مویشی کا علاوہ جزیہ کے لینا بھی

جائز ہے۔؟ تو ارشاد ہوا کہ "نہیں"۔ نیز ایک دفعہ کسی قریہ کے مجوسیوں نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں کسی عامل کے سخت برتاؤ کی شکایت کی تو آپ نے اسکے نام یہ فرمان جاری فرمایا۔

"اما بعد فان دهاقين اهل بلدك شكوا منك قسوة وغلظة واحتقارا وجفوة ونظرت فلم ارهم اهلا لان يدنوا لشركهم ولا لان يقصوا لعهدهم فالبس لهم جلبابا من اللين تشوبه بطرف من الشدة وداول لهم بين القسوة والرافة وامزج لهم بين التقريب والادناء والابعاد والاقصاء ان شاء الله (نہج البلاغہ)

"اما بعد تیرے شہر کے زمین داروں نے تیری تند خوئی، سنگدلی، لوگوں کو ذلیل کرنے اور ظلم کرنے کی شکایت کی ہے۔ میں نے غور کیا تو انکو ان کے مشرک ہونیکی وجہ سے اسکا اہل نہ پایا کہ وہ تیرے مقرب بنیں۔ اور مسلمانوں سے ہم عہد ہونے کی وجہ سے یہ بھی نامناسب ہے کہ ان کو دور رکھا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے انکی لئے سختی سے ملی ہوئی نرمی کو شعار کر اور ان کے لئے سنگدلی اور نرمی کی درمیانی راہ اختیار کر اور ان کی نزدیکی اور دوری کو ملا جلا کر رکھ (نہج البلاغہ مکتوب ۱۹)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت نے فوج روانہ کی تو جن جن مواضع سے وہ گذرنے والی تھی وہاں کے عاملوں کو یہ خط تحریر فرمایا۔

من عبد الله علی امیر المومنین الی من مر به الجيش من جباة الخراج وعمال البلاد اما بعد فانی قد سيرت جنودا هی مارة بكم ان شاء الله وقد اوصيتهم بما يجب لله عليهم من كف الاذى وصرف الشذى وانا ابرء اليكم والى ذمتكم من معرة الجيش الا من جوعة المضطر لا يجد عنها مذهبا الى شبعه فنكلوا من تناول منهم ظلما عن ظلمهم وكفوا ايدی سفهائكم عن مضارتهم والتعرض لهم فيما استثنيناه منهم وانا بين اظهر الجيش فارفعوا الی مظالمكم وما عراكم مما يغلبكم من امرهم ولا تطيقون دفعه الا بالله وبی فانا اغيره بمعونة الله ان شاء الله تعالى۔" (نہج البلاغہ)

بندہ خدا علی امیر المومنین کی طرف سے ان تحصیلداروں اور حکمرانوں کے نام جن کے پاس سے لشکر گذرے گا۔ اما بعد میں نے ایک لشکر روانہ کیا ہے جو انشاء اللہ تمہارے پاس سے گذریگا۔ اس آزار رسانی اور برائی سے منہ موڑنے کی انکو وصیت کر دی ہے جو ان پر اللہ کیلئے واجب ہے۔ اور میں لشکریوں کو اس زیادتی کو جو تمہارے اہل ذمہ کیطرف ہو ناپسند کرتا ہوں باستثناء اس زیادتی کے کہ جو لاچاری کی بھوک سے ہو جبکہ اس بھوکے کو سیری کی کوئی راہ نہ ملے پس جو ان میں سے ظلم اختیار کریں انکو ظلم سے روکو اور بیوقوفوں کو اس زیادتی میں جسکو میں نے مستثنیٰ کر دیا ہے تعرض کرنے اور مداخلت کرنے سے روکو اور میں فوج کی پشت پر موجود ہوں۔ پس اپنی فریادیں اور سختیاں جنکا تم تدارک نہیں کر سکتے مگر خدا اور میرے ذریعہ سے انکو مجھسے بیان کر دو تاکہ میں خدا کی مدد سے اسکی اصلاح کر دوں۔ (نہج البلاغہ مکتوب ۶۰)

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

"ان لوگوں نے تو اپنے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور اپنے زاہدوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اپنا پروردگار بنا ڈالا ہے۔ حالانکہ انھیں سوا اس کے اور حکم ہی نہیں دیا گیا کہ خدائے یکتا کی عبادت کریں۔ اس کے سوا (احد) کوئی قابل پرستش نہیں۔ جس چیز کو یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔"

اس آیت کے متعلق صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے:۔

اما واللہ ما دعوهم الى عبادة انفسهم ولو دعوهم الى عبادة انفسهم لما اجابوهم ولكن احلوا لهم حراما وحرموا عليهم حلالا۔

"خدا کی قسم ان (احبار و رہبان) نے ان کو اپنی ذات کی عبادت کی طرف دعوت نہیں دی اور اگر وہ اپنی پرستش کی دعوت دیتے تو یہ لوگ قبول بھی نہ کرتے لیکن انھوں نے ان کے فائدہ کے لئے حرام کو حلال کر دیا اور حلال کو ان پر حرام کر دیا۔"

اس کلام معصوم سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں احبار و رہبان کو ارباب بنانے سے مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں نے احکام الٰہیہ کے مقابلہ میں اون کے احکام پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنی مرضی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا۔ اور لوگ جہل کے سبب اون کی بیعت و اطاعت کرنے لگے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے (پھونک مار کر) خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اس کے سوا اور کچھ مانتا ہی نہیں کہ اپنے نور کو پورا ہی کر کے رہے۔ اگرچہ کفار برا مانا کریں۔"

"نور اللہ" سے مراد دین اسلام ہے جس کی بنیاد دو باتوں پر قائم کی گئی ہے ایک تعظیم و اطاعت خالق۔

دوسری محبت دنیا سے نفس کو پاک کر کے سعادت آخرت کی طرف راغب ہونا۔ اور اس کے لئے وہ قوانین معین کر گئے ہیں جو فطرت انسانی کے سراسر مطابق ہیں۔ اور جس سے نہایت سہولت و آسانی کے ساتھ نفس انسانی حقیقی معنوں میں جوہر قدسی بن سکتا ہے۔ چونکہ یہ دین مادیت و حیوانیت کی نہایت خوفناک تاریکیوں میں پڑے ہوئے نفوس کو عالم انوار قدسیہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اس کی تعلیمات خود اس کی حقیقت کے روشن دلائل ہیں۔ اس لئے اس کو خداوند عالم نے اپنے نور سے تعبیر کیا اور محصل آیت یہ ہے کہ مخالفین اسلام چاہتے ہیں۔ کہ اپنے رکیک و ضعیف شبہات سے اس دین کو مٹا دیں۔ حالانکہ اون کی اس سعی لاحاصل سے اوس کے فروغ میں کمی نہیں ہو سکتی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

"وہی تو (وہ خدا) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ (مبعوث کر کے) بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین برا مانا کریں۔"

یہ آیتیں کلام مجید میں کئی جگہ وارد ہوئی ہیں اور مقصود اس تکرار سے یہی ہے کہ اسلام کے دشمن اس کے مٹانے کی جن بے سود کوششوں میں لگے ہوئے ہیں ان کا عبث ہونا اچھی طرح واضح کر دیا جائے اور جتا دیا جائے کہ یہ دین کامل کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک دن تمام ادیان عالم کو مٹا کے رہے گا۔ اور اگرچہ یہ وعدۂ الٰہی ابتک پورا نہیں ہوا لیکن ایک روز ایسا آنے والا ہے جس میں حق کے سوا شر کا صفحۂ ہستی پر وجود نہ رہے گا اور نور الٰہی تمام ظلمتوں کو برطرف کر دے گا۔ اور وہ دن وہی ہوگا جس میں جناب عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے اور مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوگا جیسا کہ ان اقوال و روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

واللہ متم نورہ والتمام لا یکون الا عند النقصان فکیف نقصان ہذا النور فنقول اتمامہ بحسب النقصان فی الاثر وھو الظھور فی سائر البلاد من المشارق الی المغارب اذ الظہور

"واللہ متم نورہ - (اور اللہ اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے) اور تمام نقصان کے وقت ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس نور کے نقصان کی کیا کیفیت ہوگی۔ پس ہم کہیں گے کہ اس کا اتمام نقصان اثری کی بنا پر ہے۔ اور وہ مشارق سے لیکر مغارب تک تمام ممالک میں ظاہر

لیظہرہ الا بالاظہار وھو الاتمام ویؤیدہ قولہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم و عن ابی ہریرۃ ان ذلک عند نزول عیسیٰ من السماء قال مجاھد۔

(تفسیر سورۃ صف جلد ۸ صفحہ ۱۹۸)

(۲) عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلعم لا تذھب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی رواہ الترمذی وابو داؤد وفی روایۃ لہ قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلاً منی او من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً۔

(ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۲)

(۳) عن ابی سعید قال ذکر رسول اللہ صلعم بلاءً یصیب ھذہ الامۃ حتی لا یجد الرجل ملجاءً یلجأ الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلاً من عترتی و اھل بیتی فیملأ بہ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن الارض لا تدع السماء من قطرھا شیئاً الا صبتہ مدراراً ولا تدع الارض من نباتھا شیئاً الا اخرجتہ۔

(ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۲)

ہوتا ہے کیونکہ ظہور بغیر اظہار کے نہ ہوگا اور اسی کو اتمام کہتے ہیں اس کا مؤید قول باری تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم ہے اور ابوہریرہ سے مروی ہے کہ یہ امر حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نازل ہونے پر ہوگا۔ ایسے مجاہد نے کہا ہے۔"

"ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک فنا نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص عرب کا بادشاہ نہ ہو لے وہ میرا ہمنام ہے اس کو ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر دنیا میں سے ایک روز بھی باقی رہا تو خدا اس کو طویل کر دے گا یہاں تک کہ اس میں خدا میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جو میرا ہمنام ہوگا۔ اور اس کا باپ میرے باپ کا ہمنام ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے پُر کر دے گا۔ جیسی کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔"

"ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ذکر فرمایا کہ اس امت کو ایک بلا (آزمائش) پہونچے گی۔ یہاں تک کہ کوئی شخص جائے پناہ نہ پائے گا کہ ظلم سے جہاں پناہ لے پس خدا میرے اہلبیت اور عترت میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائے گا۔ اور اس کے ذریعہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسی کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ زمین و آسمان کے ساکن اس سے خوش ہونگے آسمان اپنی تمام بارشیں برسا دے گا۔ اور زمین اپنی تمام نباتات اگا دے گی۔"

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ

جُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

"جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں گرم (اور لال) کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ ہے جسے تم نے اپنے لئے (دنیا میں) جمع کر کے رکھا تھا تو (اب) اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو"

"لا ینفقونها فی سبیل اللہ" کی قید یہ ثابت کرتی ہے کہ مال کا جمع کرنا اسی وقت مذموم اور باعث عقاب اخروی ہوگا جبکہ اوس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو مذموم اور موجب عذاب آخرت نہ ہوگا جیسا کہ امالی شیخ میں مروی ہے:—

لما نزلت هذه الآية قال رسول الله صلعم كل مال تؤدّى زكوته فليس بكنز وان كانت تحت سبع ارضين وكل مال لا تؤدّى زكوته فهو كنز وان كان فوق الارض

"جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز (خزانہ) نہیں ہے خواہ وہ سات زمینوں کے نیچے (مدفون) ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز (خزانہ) ہے خواہ وہ زمین کے اوپر ہو۔"

نیز دوسری حدیث میں ہے:—

من ادّی ما فرض اللہ علیه فقد قضی ما علیه وادّی شکر ما انعم اللہ علیه فی ماله۔

"جس شخص نے خدا کا فرض کیا ہوا مال (زکوٰۃ) ادا کر دیا ہو پس اس نے اپنے فریضہ کو ادا کر دیا اور خدا نے اس پر جو انعام بذریعہ مال کیا ہے اس کا شکریہ ادا کر دیا۔"

لیکن بعد ادائے حقوق واجبہ مال کا جمع رکھنا ممدوح اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس سے امور اخرویہ کی تحصیل مقصود ہو ورنہ فقط مباح ہوگا مستحسن و ممدوح قرار نہیں پا سکتا۔ یہ ایک ضابطہ کلیہ سمجھنا چاہئے کہ تمام مباح چیزیں شریعت کی نظر میں اس وقت قابل مدح و تحسین بن جاتی ہیں جبکہ ان سے فلاح آخرت کا قصد کیا جائے اور سعادت اخروی کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنائے جائیں۔ اسی طرح اگر نیت بخیر اور اصلاح آخرت مدنظر ہو تو انسان کے جملہ مباح حرکات و سکنات مستحسن اور عین طاعت و عبادت قرار پائیں گے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

"اس میں تو شک ہی نہیں کہ خدا نے جس دن زمین و آسمان کو پیدا کیا (اس دن سے) خدا کے نزدیک خدا کی کتاب لوح محفوظ میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ ان میں سے چار مہینے (ادب و) حرمت کے ہیں۔ یہی دین سیدھی راہ ہے تو ان چار مہینوں میں اپنے اوپر (کشت و خون کر کے) ظلم نہ کرو اور مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو اور یہ جان لو کہ خدا تو یقیناً پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔"

اس آیت کے متعلق چند باتوں کا مفصل تحریر کرنا ضروری ہے۔

(اول) کفار عرب نے خداوند عالم کے ان احکام کو جو سال اور مہینوں سے متعلق تھے اور جناب ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے توسط سے نافذ کئے گئے تھے دو طرح متغیر کر دیا تھا۔

ایک تو یہ کہ قمری سال شمسی سال سے کسی قدر کم ہوتا ہے اور اسی کمی کی وجہ سے قمری مہینے ایک فصل سے دوسری فصل کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک ہی مہینہ کبھی جاڑے میں واقع ہوتا ہے اور کبھی گرمی میں۔ لہذا حج کیلئے جو مہینہ ذی الحجہ کا خدا کی طرف سے معین کیا گیا تھا وہ مختلف فصلوں میں واقع ہوا کرتا تھا اور اس سے کفار عرب خسارے میں رہا کرتے تھے، کیونکہ انھوں نے دستور رائج کر لیا تھا کہ ایام حج میں بازار تجارت گرم کر کے دنیاوی منافع بھی خوب حاصل کئے جاویں۔ پس جب ایام حج ایسے زمانہ اور ایسی فصل میں واقع ہوتے کہ سفر دشوار ہوتا اور اطراف بلاد سے اسباب تجارت کا لانا ممکن نہ ہوتا تو بازار سرد پڑ جاتا۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے یہ تدبیر سوچی کہ حج کے ایام شمسی حساب سے ایسی فصل میں مقرر کئے جائیں جو تجارت کے لئے مناسب و موافق ہو اور ہم خرما و ہم ثواب کی مثل صادق آئے چونکہ شمسی مہینے ایک فصل معین میں واقع ہوا کرتے ہیں لہٰذا کساد بازاری کا اتفاق کبھی نہ ہوگا۔

دوسرا تغیر حکم الٰہی میں یہ کیا تھا کہ جب شمسی حساب کو رائج کیا تو اس کے سال کی جتنی مقدار قمری سال سے زائد نکلتی اس کو حساب میں جمع کرتے جاتے جس سال اس کی مقدار بقدر ایک مہینے کے ہو جاتی تو اس کو تیرہ مہینوں کا قرار دیتے تھے اور اس سے ان کو سود کے معاملہ میں بالخصوص کافی نفع ہوتا تھا۔ (جیسا کہ ہندؤں کے یہاں ہندوستان میں اب بھی رائج ہے)

قرض شمسی و قمری حساب کے خلط بحث سے ایک صورت اپنے معقول منافع کی نکالی تھی۔ انہیں قبیح اعمال کی مذمت کے لئے خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ ظاہر فرمایا کہ اس نے جس دن آسمان و زمین کو خلق فرمایا اسی دن سال کے بارہ مہینے بھی مقدر و معین کر دیئے تھے، اور یہ طے کر دیا تھا کہ اون میں چار محترم مہینے ہوں گے لہذا اون میں کسی قسم کی تغییر و تبدیلی یا کمی و زیادتی کرنا احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اور تکلیفات شرعیہ کو اون مصالح سے خالی کر دینا ہے جو اُن کے نافذ کرنے سے مقصود ہیں۔ اس آیت نے یہ واضح کر کے کہ مہینوں کی تعداد اور اون میں سے چند کا محترم قرار پانا خدا کے فرمان سے وقوع میں آیا اور خلقت آسمان و زمین ہی کے دن مقدر ہو چکا تھا۔ اون بے بصیرت لوگوں کے خیال کو باطل کر دیا جو یہ سمجھتے ہیں کہ قمری حساب خود اہل عرب نے جاری کیا تھا۔ چونکہ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اور ساتھ ہی اون کے عام طور سے آپس کی لڑائیوں اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا اس لئے اون کے اہل تدبیر نے دنیوی مصلحت سے چار مہینے محترم قرار دیئے تاکہ عرب کی قومیں قافلوں کے لوٹنے اور آپس میں لڑائی جھگڑوں سے باز رہیں۔ اور امن و اطمینان سے تجارتی کاروبار میں مصروف ہو سکیں۔

(دوم) یہ معلوم ہو گیا کہ سال کے چار مہینوں کو پروردگار عالم نے خود محترم قرار دیا ہے اور اس کی یہ مصلحت ہرگز نہیں کہ اقوام عرب لڑائی جھگڑوں سے باز رہ کر امن و اطمینان سے تجارت یا دیگر ذرایع سے دنیاوی منافع کے حاصل کرنے کا موقع پا سکے کیونکہ اون کی تبدیل (و تغییر) کو کفر اور نہایت مذموم فعل قرار دیا ہے پس اگر یہی غرض ہوتی کہ لوگ تجارت یا دیگر وسائل سے دنیاوی فوائد حاصل کریں تو اس تبدیلی میں بھی وہی غرض حاصل تھی۔ بلکہ زیادہ تر حاصل تھی اور درحقیقت اس تبدیلی کا منشا بھی وہی تھا۔ کہ محترم مہینوں کے نامناسب فصل میں واقع ہو جانے سے جو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے اس کا انسداد کیا جائے۔ لہذا اس قدر تہدید و تخویف کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ علاوہ اس کے تجارت یا دیگر وسائل سے محض دنیاوی فوائد کی تحصیل کسی زمانہ میں حرمت و عظمت پیدا ہو جانے کا سبب نہیں ہو سکتی اور نہ شریعت کی نگاہ میں دنیا کے متاع غرور کی اتنی وقعت ہو سکتی ہے کہ جن مہینوں میں اہل دنیا اون کے کسب میں مشغول ہوں وہ قابل احترام قرار دیئے جائیں۔ اس امر کا بعید از عقل ہونا اتنا بدیہی ہے کہ کوئی عاقل اس کے اقرار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اگر ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے غرض مذکور کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے انکار کرنا غیر ممکن ہوگا کہ اس صورت میں ان مہینوں کا احترام فقط اقوام عرب کے لئے لازم کرنا چاہئے تھا۔ جن کو رات دن کی جنگ و پیکار سے کسب معاش کی مہلت امن و سکون کے ساتھ نہیں ملتی تھی۔ ساری دنیا کے لئے قابل احترام قرار دینا محض عبث تھا۔ حالانکہ آیت کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ چار مہینوں کو محترم قرار دینے میں کسی ملک و قوم کی تخصیص نہیں کی گئی ہے پس غرض مذکور کو سال کے چار مہینوں کے محترم قرار دیئے جانے کی علت سمجھنا محض ناواقفی ہے

درحقیقت اس کی مصلحت یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں ایسے ہی افراد کی کثرت تھی جن کی طبائع نیک کاموں سے

غافل اور شر و فساد کی طرف مائل تھیں۔ ایسے نفوس بہت ہی کم ہوتے ہیں جو ہر زمانہ میں طاعت و عبادت کی طرف یکساں میلان رکھتے ہوں اس لئے ضروری تھا کہ ایک زمانہ ایسا معین کر دیا جاتا جس میں دنیا کے تمام جھگڑوں سے الگ ہو کر غافل نفوس کو سعادت اخرویہ کے حاصل کرنے کا موقع ملتا اور شر و فساد ظلم و معصیت سے بچنے کی عادت پیدا ہو جاتی۔ ظاہر ہے کہ جو نفوس اتنے دنوں تک دنیا کی تمام برائیوں سے الگ ہو کر ریاضت و عبادت میں منہمک رہیں گے ان کو امور خیر کی رغبت اور شرور سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ خصوصاً اس تصور سے کہ اتنے دنوں تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے جو ریاضت و شقت برداشت کی ہیں وہ آئندہ کی غفلت و بدکرداری سے رائگاں نہ ہو جائے۔

علاوہ اس کے یہ امر ممکن ہے کہ بعض اوقات و مقامات کو یہ خصوصیت حاصل ہو کہ اون میں طاعت و عبادت دعا و استغفار، طہارت نفس میں زیادہ تر ہو اور اسی طرح معاصی کا اون میں واقع ہونا خباثت نفس میں زیادہ تاثیر رکھتا ہو۔ رسول عربی اور اون کے معصوم خلفا نے مخصوص ایام و اوقات میں روزہ و نماز وغیرہ اعمال خیر کی جتنی تاکید فرمائی ہے اور جس قدر کثیر ادعیہ و اذکار ان ایام و اوقات کے لئے عوام ناس کو تعلیم دیئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کو تزکیہ نفس، طہارت قلب، اجابت دعوات میں خاص تاثیر حاصل ہے اگر اس کا یقین کامل حاصل کرنا مطلوب ہو تو ہر عاقل کا فرض ہے کہ وہ معصومین کے تعلیم کئے ہوئے ادعیہ و اعمال کو دیکھے اور ان کی اہمیت پر غور کرے۔ اون سے معلوم کرے گا کہ تخصیص ایام و اوقات سے مقصود فقط روحانیت اور اخروی سعادت کا حاصل کرنا ہے۔ اور بس۔

فلاسفہ اسلام بھی اس کے قائل تھے کہ مخصوص اوقات و مقامات بھی طہارت نفس و اجابت دعا کے اسباب ہوتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ شیخ ابو سعید ابی الخیر نے رئیس الحکما بوعلی بن سینا کے پاس یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ اجابت دعا کے اسباب کیا ہیں اور مقامات مقدسہ کی زیارت نفس انسانی میں کون سی تاثیر کرتی ہے؟ تو اوس کے جواب میں شیخ نے ایک مفصل تحریر لکھ بھیجی چونکہ اس کے بعض حصے ظلمت مادیت میں پڑے ہوئے نفوس کے لئے شمع ہدایت بن سکتے ہیں اس لئے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ اون میں شیخ نے فقط مقامات مقدسہ کی تاثیر کو بیان کیا ہے لیکن اوقات معینہ کی تاثیر کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

مقامات مقدسہ میں دعا کی تاثیر

ثم اعلم ان النفوس البشریۃ یتفاوت بالشرف والعلم والکمال فاذا دعا طاہرت نفس من النفوس فی ھذا العالم بنفیۃ کما اوغیرھا تبلغ الی الکمال والعلم والعمل بالفطرۃ اولا لاکتساب حتی یصیر مضاھیا بالعقل الفعال وان کانت دونہ

"جاننا چاہئے کہ نفوس بشریہ شرف و علم و کمال میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ بعد اکثر اس عالم میں کوئی نہ کوئی نفس (خواہ وہ صاحب نبوت ہو یا نہ ہو) ایسا ظاہر ہوتا رہا ہے جو علم و عمل میں فطرۃً یا اکتساب کے ذریعہ سے کمال کو حاصل کر لیا ہے یہاں تک کہ وہ عقل فعال کے مثل ہو جاتا ہے اگرچہ شرف و علم اور مرتبہ عقلیہ

في الشرف والعلم والرتبة العقلية لانه علة وهي معلولة
والعلة اشرف من المعلول ثم اذا فارقت بدنها نقلت في
عالمها سعيدة ابد الآبدين مع اشباهها من العقول والنفوس
موثرة في هذا العالم تاثير العقول السماوية ثم الغرض
من الدعاء والزيارة ان النفوس الزائرة المتصلة بالبدن
الغير المفارقة عنها تستمد من تلك النفوس المزورة خيرا
او سعادة او دفع شر واذية فتنخرط كلها في سلك الاستعداد
والاستمداد لذلك المطلوب فلابد ان النفوس المزورة
لمشابهتها للعقول وتجوهرها بجواهرها يؤثر تاثيرا
عظيما وتمد امدادا تاما بحسب استعداد المستمد وللاستعداد
اسباب شتى يختلف بحسب اختلاف الاحوال وهي
اما جسمانية او نفسانية اما الجسمانية فمثل مزاج البدن
فانه اذا كان على حالة معتدلة في الطبيعة والفطرة فانه
يحدث فيه الروح الذي هي في تجاويف الدماغ وهو آلة
للنفس الناطقة فح يكون الفكرة والاستعداد على احسن ما يمكن
ان يكون ولاسيما اذا انضاف اليه قوة النفس وشرفها وايضاً
مثل المواضع التي يجتمع فيها ابدان الزوار والمزورين فانه
فيها يكون الاذهان اكثر صفوا والخواطر اشد جمعا والنفوس
احسن استعدادا كزيارة بيت الله تعالى واجتماع العقائد
انه موضع الذي يزدلف به الحضرة الربوبية ويتقرب به
الى الجهة المقدسة اللاهوتية وفيها حكم عجيب في خلاص النفوس
من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر واما النفسانية
فمثل الاعراض عن اتباع الدنيا وطيباتها والاجتناب
عن الشواغل والعوائق والانصراف الفكر الى قدس الجبروت

یعنی اس سے کم رہے کیونکہ وہ (عقل فعال) علت ہے اور یہ (نفس)
معلول ہے اور علت معلول سے اشرف ہے۔ پھر جب وہ نفس اپنے
بدن سے جدا ہو کر سعید بنکر اپنی جیسی عقول ونفوس کے ساتھ
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علت (عقل فعال) کی دنیا میں منتقل ہوتا ہے
اور عقول سماویہ کی مانند موثر بھی بنجاتا ہے پھر دعا اور زیارت کا مقصد
یہ ہے کہ بدن سے اتصال رکھنے والے اور اسکو نہ چھوڑنے والے
زیارت کرنے والے نفوس ان نفوس سے جن کی وہ زیارت کرتے ہیں
خیریت یا سعادت میں مدد چاہیں یا شر واذیت کو دفع کرائیں۔ پس
اس مطلوب کے لئے سب امداد باہمی کی لڑی میں منسلک ہوجاتے
البتہ یہ بات ضروری ہے کہ وہ نفوس جن کی زیارت کیجاتی ہے
اپنی ذات میں عقول کا جوہر رکھنے اور ان سے مشابہت رکھنے
کی وجہ سے طالب امداد کی استعداد کے مطابق بڑے سے بڑا اور
کامل سے کامل اثر دکھاتے ہیں۔ اور طلب امداد کے مختلف اسباب
ہیں جو حالات کے اختلاف کی بنا پر مختلف ہوتے ہیں اور وہ
(حالات) یا جسمانیہ یا نفسانیہ۔ حالات جسمانیہ مثلاً مزاج جب
یہ طبیعت وفطرت میں معتدل حالت پر ہوگا تو اس میں وہ روح
پیدا ہوجائے گی جو دماغ کے خلیوں میں رہتی ہے اور جو نفس ناطقہ
کا آلہ ہے پس اس وقت میں غور وپرداخت اور طلب امداد
بطریقہ احسن حسب امکان ہو سکے گی خصوصاً اس وقت میں جبکہ
اس پر قوت اور شرف نفس کا اضافہ ہوجائے۔ اسی طرح وہ مقامات
ہیں جہاں زائرین ومزورین کے اجسام مجتمع ہوتے ہیں ان مقامات
میں اذہان بہت صاف ہوجاتے ہیں۔ اور دل بہت مطمئن ہوجاتے
اور نفوس خوش استعداد ہوجاتے ہیں جیسے کہ بیت اللہ کی زیارت کرنا
اور عقیدوں کا ایسا متفق ہونا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے

والاستقامة تنشرق نور الله عز وجل في النفس لا تكشف
الظلم المتصلة بالنفس الناطقة فهدانا الله واياك الى
تخليص النفس من شوائب هذا المعرض للزوال انه ولي
حميد فعال —

بارگاہ خداوندی میں پہنچ جائیں گے اور مقدس ولاہوتی سمت
سے قریب ہوجائیں گے۔ اور اس میں عذاب اکبر (اخروی)
سے پہلے عذاب ادنیٰ (دنیاوی) سے گلو خلاصی کا عجیب
اثر ہے سب سے اہم رہے حالات نفسانیہ جیسے کہ دنیا اور اسکے
لذائذ کے طلب سے روگردانی کرنا اور موانع وعوائق دنیا سے پرہیز کرنا اور قوت فکریہ
کو جبروتی پاکیزگی کی طرف موڑ دینا اور نفس ناطقہ سے اتصال رکھنے والی تاریکیوں
کو اللہ کے نور کی باطنی چمک سے ہمیشہ دور کرتے رہنا۔ پس خدا ہم کو اور
تمکو اس معرض زوال (دنیا) کی آمیزش سے نفس کو صاف رکھنے کی ہدایت کرے
کیونکہ وہ اپنے ارادہ سے خبردار اور اس کو کر گذرنے والا ہے۔ "

(سوم) "فلا تظلموا فيهن" میں ضمیر "اربعة حرم" کی طرف راجع ہے اور مقصود یہ ہے کہ تم کشت وخون کرکے یا اور فسق وفجور کے مرتکب ہوکر ان مہینوں کی حرمت کو برباد نہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تم خود اپنے نفوس پر ظلم کروگے۔ اگرچہ ناحق خونریزی اور فسق وفجور اور مہینوں میں بھی حرام کئے گئے ہیں لیکن ان مہینوں میں واقع کرنے سے ممانعت خصوصیت سے اسی لئے کی گئی ہے کہ ان کو سال کے باقی مہینوں پر حرمت وشرف دیا گیا ہے لہذا ان میں کسی معصیت کا واقع کرنا نفس کے خبث وکثافت میں زیادہ موثر ہوگا اور عقاب کا بہت زیادہ مستحق بنا دے گا۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

"مہینوں کے آگے پیچھے کردینا بھی کفر ہی کی زیادتی ہے کہ ان کی بدولت کفار (اور) بہک جاتے ہیں۔ ایک برس تو اسی ایک مہینے کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال اسی مہینے کو حرام کہتے ہیں تاکہ خدا نے جو (چار مہینے) حرام کئے ہیں ان کی گنتی ہی پوری کرلیں اور خدا کی

حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرلیں۔ ان کی بری (بری) کارستانیاں انھیں بھلی کر دکھائی گئیں۔ اور خدا کافر لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچایا کرتا۔"

"نسئی" سے مراد کسی محترم مہینے کے عوض کسی ایسے مہینے کو محترم قرار دینا ہے جو درحقیقت خدا کی طرف سے محترم نہیں بنایا گیا ہے۔ اس سے پہلے بیان کیا گیا کہ کفار عرب جب مخصوص محترم مہینوں کو اپنی مصلحت کے خلاف پاتے تو دوسرے مہینوں کی طرف ان کی حرمت کو منتقل کر دیتے تھے۔ اور اس کا اعلان عام کر دیا جاتا تھا کہ اس سال اس مہینے کے بدلے فلاں مہینہ باحرمت قرار دیا گیا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۵

"اے ایمان دارو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو تم لدّھڑ ہو کے زمین کی طرف جھکے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بہ نسبت دنیا کی (چند روزہ) زندگی کو پسند کرتے ہو تو (سمجھ لو کہ) دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے عیش و آرام کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے۔"

(۱) یہ آیت غزوہ تبوک کے سلسلہ کی ہے جب کہ آنحضرتؐ غزوہ طائف سے مدینہ میں واپس تشریف لائے تو چند مہینے قیام فرمایا۔ اسی اثنا میں ایک قافلہ شام سے آیا اور اس نے خبر دی کہ ہرقل بادشاہ روم بہت بڑا لشکر مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے بھیج رہا ہے اور عرب کے مشہور قبائل لخم و غسان وغیرہ اوس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ ہو جانے کا حکم دیا۔ اتفاق سے وہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ خرمے کی تیاری کی فصل آگئی تھی۔ اس لئے امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ قحط کی تکلیفیں جو گذری ہیں ان کے عوض کچھ دنوں آرام نصیب ہوگا۔ پھر مسافت بھی طویل اور مقابلہ بھی قوی فوج سے تھا۔ غرض ان تمام باتوں کے یکجا جمع ہو جانے سے بہت سے لوگوں نے روانہ ہونے میں تامل کیا۔ ان ہی کی بابت یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز اس کے بعد والی آیتیں بھی اسی جنگ کے متعلق نازل ہوئیں۔

(۲) اس جنگ میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ ہے:۔

فلما سار رسول الله صلعم تخلف عنه عبد الله بن ابی فیمن تخلف من المنافقین واهل الریب وخلف رسول الله علی بن ابی طالب رضوان الله علیه علی اهله وامره بالاقامة فیهم فارجف به المنافقون وقالوا ما خلفه الا استثقالا له وتخففا منه فلما قال ذلک المنافقون اخذ علی بن ابی طالب رضوان الله علیه سلاحه ثم خرج حتی اتی رسول الله صلعم وهو نازل بالجرف فقال یا نبی الله زعم المنافقون انک انما خلفتنی لانک استثقلتنی وتخففت منی فقال کذبوا ولکنی خلفتک لما ترکت ورائی فارجع فاخلفنی فی اهلی واهلک افلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی فرجع علی الی المدینة ومضی رسول الله صلعم علی سفره۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۷ بر حاشیہ زاد المعاد)

"پس جب رسول اللہ صلعم روانہ ہوئے تو اہل شک اور منافقین میں سے پیچھے رہ جانے والوں میں عبد اللہ بن ابی بھی پیچھے رہ گیا اور رسول اللہ صلعم نے علیؑ بن ابی طالب کو اپنے اہل پر اپنا خلیفہ بنایا اور انکو انھیں کے درمیان قیام رکھنے کا حکم فرمایا تو اس پر منافقین نے نکتہ چینی کی اور کہا کہ "رسولؐ نے علیؑ کو بار سمجھکر اور سبک کرنے کی غرض سے ساتھ نہیں لیا۔ جب منافقوں نے یہ بات کہی تو علیؑ بن ابیطالب رضوان اللہ علیہ اپنے ہتھیار لیکر نکل پڑے یہانتک کہ رسول اللہ صلعم جبکہ مقام جرف میں اترے ہوئے تھے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا نبی اللہ منافقوں کا یہ خیال ہے کہ مجھکو آپ نے بار سمجھتے ہوئے اور سبک کرنے کے لئے اپنے ساتھ نہیں لیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انھوں نے جھوٹ کہا۔ بلکہ میں نے اپنے پیچھے جنکو چھوڑا ان پر تمکو خلیفہ بنایا ہے تم واپس چلے جاؤ اور اپنے اور میرے اہل میں میری قائم مقامی کرو۔ اے علیؑ کیا تمکو یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم میری جانب سے وہی منزلت پاؤ جو حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کی جانب سے پائی تھی۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پس حضرت علیؑ مدینہ کو واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلعم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔"

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى (۱) وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۵

"اگر تم اس رسولؐ کی مدد نہ کروگے تو کچھ پروا نہیں

مددگار رہے) اس نے تو اپنے رسول کی اس وقت مدد کی جب اس کو کفار (مکہ) نے (گھر سے) نکال باہر کیا (اس وقت صرف دو آدمی تھے) اور دوسرے رسول تھے۔ جب دونوں غار ثور میں تھے جب اپنے ساتھی کو (اس کی گریہ و زاری پر) سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور (فرشتوں) ایسے لشکر سے ان کی مدد کی جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں اور خدا نے کافروں کی بات نیچی کر دکھائی اور خدا ہی کا بول بالا رہا۔ اور خدا تو غالب حکمت والا ہے۔

(۱) خدا نے شب ہجرت اپنے رسول کی نصرت کئی طرح سے کی ایک تو یہ کہ جب حضرت نکلے تو یہ آیت زبان پر جاری تھی وجعلنا من بین ایدیهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشیناهم فهم لا یبصرون - اور اس کی تاثیر یہ ہوئی کہ کسی کی نگاہ آپ پر نہ پڑ سکی۔ دوسری نصرت یہ کی کہ جب غار جبل ثور میں پہنچے تو بحکم الٰہی فوراً اس کے دروازہ پر خاردار درخت اُگ گئے اور مکڑی نے جالا تن دیا۔ اور کبوتر نے انڈے دیدیئے جس سے ان کفار کو جو تجسس میں وہاں آئے تھے یہ گمان بھی نہ ہوا کہ آپ اس کے اندر تشریف فرما ہوئے۔ تیسری نصرت یہ کی کہ آنحضرت کی دعا سے وہ لوگ ایسے اندھے ہو گئے کہ جن لوگوں نے اس غار کے اندر نظر بھی کی ان کو بجز تاریکی کچھ دکھائی نہ دیا۔ حالانکہ وہ اتنے قریب سے دیکھ رہے تھے کہ آنحضرت کے رفیق سفر حضرت ابوبکر کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ ان لوگوں نے دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ اس خطرے کو آنحضرت سے بیان کیا۔ جواب ملا کہ اگر دیکھا ہوتا تو کبھی پلٹ نہ جاتے۔ پانچویں نصرت یہ کی کہ جب آپ غار ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف چلے تو اثنائے راہ میں سراقہ بن مالک جو تعاقب کر رہا تھا سامنے سے دکھائی دیا۔ اس کو دیکھ کر جناب ابوبکر نہایت مضطرب ہوئے۔ اور فرمایا هذا الطلب قد لحقنا۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ جب وہ بہت قریب آ گیا تو آپ نے دعا فرمائی جس سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس وقت وہ فریاد کرنے لگا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس مصیبت سے نجات مل گئی تو میں دوسرے تعاقب کرنے والوں کو روک دوں گا۔ اور اپنا تیروں سے بھرا ہوا ترکش بھی پیش کیا کہ اس میں سے جتنی ضرورت ہو لے لیجئے۔ مگر آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس کے لئے دعا فرمائی اور اس آفت سے اس کو نجات مل گئی۔ خود سراقہ نے ان دو مشہور شعروں میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ۔ اباحکم لو کنت واللہ شاهدا + لامر جوادی اذ تسیخ قوائمه علمت ولم تشکک بان محمدا + رسول ببرهان فمن ذا یقاومه — ترجمہ۔ اے ابوحکم خدا کی قسم اگر تو میرے گھوڑے کے حالہ کا مشاہدہ کرتا کہ اس کے پاؤں زمین میں دھنس چکے تھے تو تجھے یقین ہو جاتا اور تو شک نہ کرتا کہ محمد دلیل کے ساتھ رسول ہیں ان کا مقابل کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۲) "سکینۃ علیہ" میں ضمیر آنحضرت کی جانب راجع ہے اس لئے کہ اس سے پہلے اور بعد پانچ ضمیریں متواتر ایسی واقع ہوئی جو آپ ہی کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ بیچ والی ضمیر کا مرجع کسی دوسرے کو ٹھہرانا سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے اور یہ سیاق و سباق اتنا مہتم بالشان امر ہے کہ فخر الدین رازی و ابن روزبہان اور دیگر علمائے اسلام نے آیہ انما ولیکم اللہ اور آیہ تطہیر کی بحث میں اپنے مقاصد کو ثابت کرنے کے لئے قوی ترین دلیل سمجھ کر اسی سے تمسک کیا ہے اور فخر الدین رازی نے تو مخالفت سیاق و سباق کو انتہا درجے کی رکاکت سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے کلام الٰہی کو منزہ سمجھنا واجب ہے۔ پس جس امر کا اعتبار مختلف آیات میں لازم ہوگا وہ آخر ایک ہی دن کا ایک ساتھ نازل ہونا کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کی مخالفت ایک ہی آیت کے مختلف جملوں میں کیونکر جائز قرار دی جا سکتی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ کوئی داعی اس بات پر مجبور کرنے والا موجود نہ ہو۔ کہ خواہ مخواہ سیاق و سباق کا اعتبار چھوڑ کر ضمیر کو آنحضرت صلعم کی طرف راجع نہ سمجھا جائے جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ خداوند عالم کے وعدہ ہائے نصرت کی وجہ سے رسول عربی کے قلب مبارک میں پہلے ہی سے سکون و اطمینان موجود تھا دوبارہ نزول سکینہ کی ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے اس سے بالکل غفلت برتی ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر بھی خدا نے فتح و ظفر کا وعدہ کیا تھا۔ اور آنحضرت نے اس کا اعلان بھی کر دیا تھا اور پھر چند نفر اہلبیت کے سوا جملہ مجاہدین کے فرار کر جانے کی حالت میں جس جرأت اور سکون و ثبات کا ظہور اس پر خطر میدان جنگ میں آپ کی ذات سے ہوا اس کی دوسری نظیر بہت کم ملتی ہے۔ پس ایسے سکون قلب کے موجود ہوتے ہوئے کسی دوسرے سکینہ کے نزول کی کیا ضرورت تھی جو خدا نے یہ ارشاد فرمایا "ثم انزل اللہ سکینته علی رسوله" اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت زیر بحث میں خدا نے فائے تعقیب کے ساتھ "فانزل" فرمایا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس سے دل میں سکون نہ رہا ہو۔ اور آنحضرت صلعم کی یہ حالت نہ تھی۔ کیونکہ آپ بکمال سکون و اطمینان اپنے رفیق سفر کو "لا تحزن ان اللہ معنا" فرما کر تسکین دے رہے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ غزوہ حنین والی آیت میں بھی "ثم" موجود ہے جو تعقیب کے ساتھ مہلت و تراخی پر بھی دلالت کرتا ہے (یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا امر کچھ مدت گذر جانے کے بعد واقع ہوا) لہٰذا یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قلب رسول پر دیر تک سکون کی حالت طاری رہنے کے بعد خدا کی طرف سے سکینہ کا نزول ہوا۔ حالانکہ یہ امر بالکل خلاف عقل ہونے کے علاوہ جملہ تاریخی شہادتوں کے بھی مخالف ہے۔

پس حقیقت امر یہ ہے کہ نزول سکینہ کے لئے پہلے خوف کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ سکینہ پروردگار عالم کے ان الطاف خفیہ میں سے ہے جس کے درجات ترقی کی کوئی انتہا اور ایسی حد معین نہیں ہے جس سے متجاوز نہ ہو سکے لہٰذا اگر آنحضرت کے قلب مبارک پر اس نازک وقت میں جبکہ رفیق غار اپنے حزن و خوف سے پریشانی خاطر کے باعث بن رہے تھے مخصوص سکینہ نازل کر کے اس سکون و ثبات پر جو مواعید الٰہیہ کے سبب پہلے ہی موجود تھا زیادتی کر دی گئی

ہو تو کسی طور سے مستبعد نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور غزوۂ حنین والی آیت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

ایک اور دلیل

ایک قوی دلیل اس بات کی کہ سکینۂ الٰہیہ محض آنحضرتؐ صلعم کے قلب مبارک پر نازل ہوا تھا وہ واقعہ ہے جو براء ابن عازب کے سوال پر خود جناب ابوبکر نے بیان کیا تھا اور اس کی روایت بخاری مسلم و احمد حنبل وغیرہم علمائے محدثین نے کی ہے۔ آپ نے سفر ہجرت کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فارتحلنا والقوم یطلبوننا فلم یدرکنا منهم الا سراقة علی فرس له فقلت یا رسول الله هذا الطلب قد لحقنا فقال لا تحزن ان الله معنا حتی اذا دنی فکان بیننا وبینه قدر رمح او رمحین او ثلاثة فقلت یا رسول الله هذا الطلب قد لحقنا وبکیت قال فلم تبکی۔ انتهی بقدر الحاجة

(تفسیر در منثور سیوطی جلد ثالث صفحہ ۲۳۹)

"ہم نے کوچ کیا اور قوم ہماری جستجو میں چلی پس ان میں سے صرف سراقہ نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہم کو پا لیا۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ یہ دوڑ ہم تک آگئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا حزن نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے یہاں تک کہ جب وہ اتنا قریب آگیا کہ ہمارے اور اس کے مابین صرف ایک نیزہ یا دو نیزہ یا تین کا فاصلہ رہ گیا تو میں نے پھر کہا یا رسول اللہ یہ دوڑ ہم تک آگئی اور میں رونے لگا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کیوں روتے ہو۔"

اس شہادت جناب صدیق سے واضح ہوا کہ غار ثور سے بہت دور نکل جانے کے بعد بھی آپ کے قلب مبارک میں حزن و اضطراب کی وہی کیفیت سابقہ باقی تھی بلکہ کچھ زیادہ ہو گئی تھی کیونکہ نہ فوج نہ رسالہ محض ایک سوار کو دیکھ کر جس کا مقابلہ نہایت آسانی سے ممکن تھا چیخ اٹھے کہ "دوڑ آگئی"۔ آنحضرتؐ نے پھر وہی کلام ارشاد فرمایا کہ "آپ محزون نہ ہوں خدا ہمارے ساتھ ہے۔" لیکن منزل صبر اب بھی "ہنوز دلی دور" کی مصداق رہی تا اینکہ اس سوار کے قریب آجانے پر تو خوف و اضطراب کی کوئی حد نہ باقی رہی۔ بے ساختہ ایک چیخ ماری اور رونے لگے۔ جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "اگر دوڑ آگئی ہے تو آنے دیجیئے آخر آپ روتے کیوں ہیں"۔ پس اس حالت کو دیکھتے ہوئے کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ جناب صدیق کے قلب پر سکینہ نازل ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد خوف و اضطراب کی حالت کا باقی رہ جانا متصور نہیں ہو سکتا۔ البتہ باوجود جملہ اسباب پریشانی کی معیت کے آنحضرتؐ سے جس سکون قلب کا ظہور ہوتا رہا وہ خداوند عالم کی اس خاص رحمت و عنایت کا نتیجہ تھا جس سے ہر لحظہ عدم تناہی کی نشان ظاہر ہوتی رہی تھی —

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝

"اور اگر یہ لوگ (گھر سے) نکلنے کی ٹھان لیتے تو کچھ نہ کچھ سامان تو کرتے۔ مگر بات یہ ہے کہ خدا نے ان کے بھیجنے کو ناپسند کیا تو ان کو کاہل بنا دیا اور (گویا) ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے (کبھی) رہو۔"

خداوند عالم نے جن وجوہ سے مومنین کے ساتھ منافقین کے خروج کو پسند نہ کیا اون کو بعد کی آیت میں بیان فرمایا ہے اور محصل کلام الٰہی یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اہل ایمان کی طرح نصرت رسولؐ کی غرض سے نکلنے کا قصد رکھتے تو سفر کا سامان بھی مہیا کرتے مگر مومنین کے ساتھ ان کا جانا خود خداوند عالم کو ناپسند نہ تھا۔ کیونکہ اگر ساتھ جاتے تو یہ نیت اون کی کبھی نہ ہوتی کہ دین الٰہی کی نصرت کریں بلکہ بجائے اس کے مومنین ہی کو اپنی فتنہ انگیزی سے پریشان کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے ساتھ اون لوگوں کا جانا دو غرض سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ اور دین حق کی حمایت کریں۔ دوسری یہ کہ مشرکین کے جاسوس بنیں اور مومنین کو فتنہ و فساد برپا کر کے پریشانی میں ڈالیں۔ پہلی غرض سے سفر کرنے کا تو خود انھوں نے ارادہ نہیں کیا۔ اور وہ اس سے ظاہر ہے کہ جہاد کے عزم کا سامان مہیا نہیں کرتے تھے رہی دوسری غرض تو اس کے لئے مومنین کے ساتھ روانہ ہونے کو خداوند عالم نے روک دیا۔ اگلی اور پچھلی آیتوں کو ملا کر دیکھنے سے اس شبہہ کی خلش کسی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی کہ جب خدا نے اون لوگوں کو روانہ ہو جانے کا حکم دیا تو پھر کاہل بنا کر بٹھا دینا کیسا؟ کیونکہ جس غرض سے خروج کا حکم دیا گیا وہ نصرت رسولؐ و حمایت دین تھی لیکن اس کے لئے اُن کے نفاق نے تیار نہ ہونے دیا۔ حالانکہ اون میں قدرت اور اختیار موجود تھا۔ اگر چاہتے تو روانہ ہو سکتے تھے۔ اس امر کی طرف "لو ارادوا الخروج لاعدوا له عدة" فرما کر اشارہ فرمایا ہے۔ رہا فتنہ انگیزی کی غرض سے نکلنا تو وہ اس کے لئے تیار ہو جاتے جس طرح پہلے غزوات کے موقع پر جایا کرتے تھے، مگر خدا کی مشیت خاصہ اس سے مانع ہوئی۔ اور کاہل ہو کر بیٹھ رہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

"(اے رسولؐ) تم کہدو کہ ہم پر ہرگز کوئی مصیبت پڑ نہیں سکتی۔ مگر وہی جو خدا نے ہمارے لئے (ہماری تقدیر میں) لکھ دیا ہے۔ وہی ہمارا مالک ہے اور ایمانداروں کو چاہیئے بھی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں۔"

اس آیت کی تعمیر بعد والی آیت کرتی ہے اور محصل کلام الٰہی یہ ہے کہ "اے رسول ان منافقین سے کہدو کہ فتح ہو یا شہادت بہر طور خدا نے ہمارے لئے بھلائی ہی مقدر کر دی ہے۔ اگر ایک نہیں تو دوسری ضرور ہی ہاتھ آجائے گی۔ جس امر کو تم ہمارے لئے مصیبت سمجھتے ہو وہ بھی درحقیقت ہمارے لئے فوز عظیم ہے۔ پس تم تو ہمارے انجام کی بابت خیر و خوبی کے سوا کسی شر اور بدی کا انتظار کر ہی نہیں سکتے۔ برخلاف اس کے کہ ہم کو تمہاری بابت یہی انتظار ہے کہ انجام کار عذاب دنیا ہی میں مبتلا ہو گے خواہ وہ خدا کے دست قدرت سے

نازل ہو۔ ہمارے ہاتھوں سے۔ لہٰذا تم کو ہماری ظاہری مصیبت اور اپنی وقتی نجات پر مسرور و نازاں نہ ہونا چاہیئے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ

(اے رسول) تم کو نہ تو ان کے مال حیرت میں ڈالیں اور نہ ان کی اولاد (کیونکہ) خدا تو یہ چاہتا ہے
ان کو آل و مال کی وجہ سے دنیا کی (چند روزہ) زندگی (ہی) میں مبتلائے عذاب کرے اور جب
ان کی جانیں نکلیں تب بھی وہ کافر (کے کافر ہی) رہیں۔

خداوند عالم نے اس آیت میں اسی مطلب کی تفصیل کی ہے جس کو آیۂ سابقہ "اُمْلِي لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ" میں مجملاً بیان فرمایا ہے۔ اس کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے ان دونوں باتوں کو جو اس سے پہلے بھی متعدد آیات کے ذیل میں درج کی جا چکی ہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ خدائے تعالیٰ کسی بندے سے ابتداً صدور کفر کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور نہ اس کو قبول ایمان ہی پر مجبور کرتا۔ بلکہ ہر ایک کے عقاب و ثواب کو بدرجۂ غایت واضح فرما کر بندوں کو مختار کر دیا ہے کہ جس کو جیسا چاہیں اختیار کرلیں اور اسی کے مناسب اون کو نیک یا بد جزا دی جائے گی۔ البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہر طرح حجت تمام کر دی جاتی ہے اور بندے اصرار کفر و ضلالت سے باز نہیں آتے تو عذاب و عقوبت کے طور پر اون سے وہ توفیقات جو بشرط ارادۂ خیر منزل مقصود تک پہونچنے میں بہت کچھ امداد کرتی ہیں مسلوب کر لی جاتی ہیں۔ پھر وہ کفر و ضلالت کی تاریکی سے کبھی نکل نہیں سکتے۔ اور اس سلب توفیقات سے مقصود الٰہی یہی ہوتا ہے کہ اون کے لئے عذاب دائم کا استحقاق اچھی طرح مستحکم ہو جائے۔

دوم یہ کہ دنیوی حشمت و ثروت جو بندوں کو عطا کی جاتی ہے اوس سے عام طور پر تفضل و احسان ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ کبھی اوس کی غرض امتحان و آزمائش ہوتی ہے جیسا کہ جناب سلیمان نے فرمایا تھا "هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ" اور کبھی کفر و ضلالت فسق و فجور پر اصرار کرنے والے بندوں کے استحقاق عذاب میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ معلوم ہے کہ جب انسان کو غنا اور فراغت نصیب ہوتی ہے تو اس کا نفس امارہ فسق و فجور طغیان و عصیان کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں کہ نہ خدا کا خوف ہو اور نہ آخرت کے بازپرس کا دھڑکا بہت جلد نفس پرستی اور ہوا و ہوس کی متابعت کے عمیق غار میں گر کر اسفل سافلین تک پہونچ جاتا ہے۔

اگر ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیۂ زیر بحث کو دیکھا جائے تو اس کے مفہوم میں کسی شبہہ و شک کی گنجائش نہیں مل سکتی اور نہایت واضح طور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا مفہوم شان عدل باری تعالیٰ کے خلاف ہو۔

رہی یہ بات کہ اولاد اور مال دنیا کی کثرت باعث عذاب دنیوی کیونکر ہو سکتی ہے تو اس کے وجوہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

(الاول) ان كل من حبه للشئ اشد واقوى كان حزنه وتالم قلبه على فواته اعظم واصعب وكان خوفه على فواته اشد واصعب فالذين حصلت لهم الاموال الكثيرة والاولاد كانت تلك الاشياء باقية عندهم كانوا في الم الخوف الشديد من فواتها وان فاتت وهلكت كانوا في الم الحزن الشديد لسبب فواتها فثبت انه محصول موجبات السعادات الجسمانية لا ينفك عن تالم القلب اما لسبب خوف فواتها او لسبب الحزن من وقوع فواتها (والثاني) ان هذه يحتاج الى متاعب اشد واشق واصعب واعظم في حفظها فكان حفظ المال بعد حصوله اصعب من اكتسابه فالمشغوف بالمال والولد ابدا يكون في تعب الحفظ والصون عن الهلاك ثم انه لا ينتفع الا بالقليل من تلك الاموال فالتعب كثير والنفع قليل (والثالث) ان الانسان اذا عظم حبه لهذه الاموال والاولاد الى آخر عمره او لا يبقى بل تهلك وتبطل فان كان الاول فعند الموت يعظم حزنه ويشتد حسرته لان مفارقة المحبوب شديدة وترك المحبوب المحبوب اشد واشق وان كان الثاني وهو ان هذه الاشياء تهلك وتبطل حال حياة الانسان عظم اسفه عليها واشتد تالم قلبه بسببها

[illegible]

(وجہ اول) یہ ہے کہ جس کی محبت کسی شے سے اشد و اقوی ہوگی اسکے فوت ہونے پر اس کا حزن و ملال قلبی عظیم تر اور دشوار تر ہوگا اور اس کے فوت ہونے کا اندیشہ اشد و اصعب ہوگا۔ پس وہ لوگ جن کو اموال کثیرہ اور اولادیں حاصل ہیں اگر یہ اشیاء ان کے پاس باقی رہیں تو ان کے فوت ہونے کے اندیشہ میں سخت فکر مند اور خوف زدہ ہوں گے۔ اور اگر یہ اشیاء واقعی فوت اور ہلاک ہوگئیں تو ان کے فوت ہو جانے کی وجہ سے شدید رنج و حزن میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سعادات جسمانیہ کے اسباب کے حصول سے دل کو خوف یا حزن سے رہائی نہیں مل سکتی کیونکہ اندیشۂ خوف یا واقعی فوت سے بہر حال چھٹکارا نہیں۔ (دوسری وجہ) یہ ہے کہ ان (اموال و اولاد) کے اکتساب اور تحصیل میں تعب شدید اور مشقت عظیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر حاصل ہونے کے بعد ان کی حفاظت میں اور زیادہ شدید و عظیم زحمتوں کا سامنا ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ مال کے حاصل ہونے کے بعد بہ نسبت اس کے اکتساب کے اس کی حفاظت بہت دشوار ہے۔ مال اور اولاد کا شیدائی ہمیشہ ان کو ہلاکت سے بچانے اور حفاظت کرنے کے تعب میں رہتا ہے پھر ان اموال میں سے صرف تھوڑے مال سے منتفع ہوتا ہے۔ یعنی تعب کثیر اور نفع قلیل اٹھاتا ہے۔ (تیسری وجہ) یہ ہے کہ جب ان اموال و اولاد سے انسان کی محبت عظیم ہوگی۔

[illegible]

فثبت ان حصول الاموال والاولاد سبب الحصول العذاب فی الدنیا (والمراج) ان الدنیا حلوة خضرة الحواس مائلة الیھا فاذا کثرت وتوالت استغرقت فیھا وانصرفت النفس بکلیتھا الیھا فیصیر ذلک سبباً لحرمانہ عن ذکر اللہ ثم انہ یحصل فی قلبہ نوع قسوة وقوة وقھر وکلما کان المال والجاہ اکثر کانت تلک القسوة اقوی والیہ الاشارة بقولہ تعالیٰ ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ فظھر ان کثرة الاموال والاولاد سبب قوی فی زوال حب اللہ وحب الآخرة عن القلب وفی حصول حب الدنیا وشھواتھا فی القلب فعند الموت کان الانسان ینتقل من البستان الی السجن ومن مجالسة الاقرباء والاحباء الی موضع الکربة والغربة فیعظم تألمہ وتقوی حسرتہ ثم عند الحشر حلالھا حساب وحرامھا عقاب فثبت ان کثرة الاموال والاولاد سبب لحصول العذاب فی الدنیا والآخرة۔ فان قیل ھذا المعنی حاصل الکل فما الفائدة فی تخصیص ھؤلاء المنافقین بھذا العذاب قلنا المنافقون مخصوصون بزیادات فی ھذا الباب احدھا ان المسلم اذا آمن باللہ والیوم الآخر علم انہ خلق للآخرة لا للدنیا فبھذا العلم تفتر حبہ للدنیا واما المنافق لما اعتقد انہ لا سعادة الا فی ھذہ الخیرات العاجلة عظمت رغبتہ فیھا واشتد حبہ بھا وکانت الآلام الحاصلة بسبب فواتھا اکثر فی حقہ وتقوی عند قرب الموت وظھور علاماتہ فھذا النوع

تو یا یہ اموال واولاد اس کی آخر عمر تک باقی رہیں گے یا باقی نہ رہیں گے بلکہ ہلاک اور فنا ہو جائیں گے پس اگر پہلی بات (بقا) ہوگی تو موت کے وقت اس کو حزن عظیم وحسرت شدیدہ لاحق ہوگی کیونکہ مفارقت محبوب شدید اور محبوب کا محبوب کو چھوڑنا بہت شاق ہوتا ہے اور اگر دوسری بات ہوگی یعنی اشیاء انسان کی زندگی ہی میں ہلاک اور تباہ ہو گئیں تو اس کو بڑا افسوس ہوگا۔ اور ان چیزوں کی تباہی سے اس کے دل کو بڑا دکھ پہنچے گا پس ثابت ہوا کہ اموال واولاد کا حصول دنیا میں ایک طرح کا عذاب ہے (چوتھی وجہ) یہ ہے کہ دنیا ایک شیریں اور شاداب چیز ہے اور حواس اس کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ پس جوں جوں اس کی شادابی بڑھتی جائے گی نفس اس میں مستغرق ہوتا جائے گا۔ اور اسی کا ہو رہے گا پس یہ اس کے لئے اللہ کے ذکر سے محروم ہونے کا سبب ہو جائیگا پھر اس کے دل میں ایک طرح کی سختی اور بے خوفی پیدا ہو جائیگی۔ اور جوں جوں مال وجاہ بڑھتے جائیں گے یہ قساوت قوی تر ہوتی جائے گی۔ اسی کی طرف خدا نے اپنے قول "ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ" سے اشارہ فرمایا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ کثرت اموال واولاد محبت خدا اور محبت آخرت کو دل سے زائل کر دینے کا اور محبت دنیا اور اس کی لذات سے وابستہ کر دینے کا سبب قوی ہے لہذا موت کے وقت گویا انسان ایک باغ سے قید خانہ کی طرف اور اقرباء واحباء کی ہمنشینی سے کرب وغربت کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ لہذا وہ عظیم رنج اور شدید حسرت میں مبتلا ہوگا۔ پھر حشر کے دن اس کو حلال کا حساب دینا ہوگا اور حرام کا عقاب بھگتنا ہوگا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کثرت اموال واولاد دنیا اور آخرت میں حصول عذاب کا سبب ہے

من العذاب حاصل لھم فی الدنیا بسبب حب الاموال والاولاد۔ انتھی بقدر الحاجة۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات تو کل انسانوں کے لئے ہے لہذا اس عذاب سے منافقین کی تخصیص کا کیا فائدہ ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ منافقین کے لئے اس بارے میں چند اضافے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی شخص خدا اور یوم آخر (قیامت) پر ایمان لائے گا تو اس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ آخرت کیلئے خلق کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کے لئے۔ پس اس علم سے اس کی حب دنیا کم ہو جائے گی۔ اور منافق کا جب یہ اعتقاد ہے کہ صرف ان ناپائدار خوبیوں میں ہی سعادت ہے تو ان کی طرف اس کی رغبت عظیم اور محبت شدید ہوگی۔ لہذا ان کے فوت سے جو آلام حاصل ہوں گے۔ وہ اس کے حق میں زیادہ ہوں گے۔ اور موت کے قریب اور اس کی علامات کے ظہور کے وقت ان میں اور قوت پیدا ہو جائے گی۔ پس عذاب کی یہ قسم اموال واولاد کی محبت کی وجہ سے منافقین کے لئے دنیا ہی میں مہیا ہو جاتی ہے"

وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقَاتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْھَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْھَآ اِذَا ھُمْ یَسْخَطُوْنَ ۝

"اور ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمہیں خیرات (کی تقسیم) میں (خواہ مخواہ) الزام دیتے ہیں پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ (معقول مقدار) دیدیا گیا۔ تو خوش ہو گئے اور اگر (انکی مرضی کے موافق) اس میں سے انہیں کچھ نہیں دیا گیا تو بس فوراً ہی بگڑ بیٹھے"

اس آیت کا سبب نزول روایت مندرجہ ذیل میں بالتفصیل مذکور ہے۔

اخرج البخاری والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری رضی قال بینما النبی صلعم یقسم قسماً اذ جاءہ ذوالخویصرة التمیمی فقال اعدل لی یا رسول اللہ فقال ویلک ومن یعدل اذا لم اعدل فقال عمر بن الخطاب یا رسول اللہ ائذن لی فیہ فاضرب عنقہ فقال رسول اللہ صلعم دعہ فان لہ اصحاباً یحقر احدکم صلاتہ مع صلاتھم

بخاری، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ نبی صلعم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ کہ ذوالخویصرہ تمیمی آپ کے پاس آکر کہنے لگا یا رسول اللہ انصاف کیجئے۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو اگر میں انصاف نہیں کروں تو کون انصاف کرے گا عمر بن الخطاب نے کہا یا رسول اللہ مجھکو اجازت دیجئے ابھی اسکی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ اسکے

وصیامہ مع صیامھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم
من الرمیۃ فینظر فی قذذہ فلا یری فیہ شیء ثم ینظر
فی نضیہ فلا یری فیہ شیء ثم ینظر فی رصافہ فلا یری
فیہ شیء ثم ینظر فی نضیہ فلا یوجد فیہ شیء قد سبق
الفرث والدم آیتھم رجل اسود احدی یدیہ او قال
ثدییہ مثل ثدی المرأۃ یخرجون علی حین فرقۃ من
الناس قال فنزلت فیھم ومنھم من یلمزک فی الصدقات
الآیۃ قال ابو سعید الخدری اشھد انی سمعت ھذا
من رسول اللہ صلعم واشھد ان علیا حین قتلھم وانا
معہ جئ بالرجل علی النعت الذی نعت رسول اللہ صلعم
(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۵)

بہت سے ایسے ساتھی ہیں۔ کہ تم میں کا ہر شخص ان کے ساتھ اپنی نماز
اور روزہ کو ناپسند سمجھتا ہے یہ لوگ دین سے اس طرح الگ ہو جائیں گے
جس طرح تیر کمان سے چھوٹ کر نشانے سے الگ جا پڑتا ہے اس کے
پروں کو دیکھتا ہے تو ان میں کچھ نہیں پاتا۔ پھر ترکش کو دیکھتا ہے
تو اس میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ پھر سوفار کو دیکھتا ہے تو وہ بھی
لاپتہ ہوتا ہے پھر اس کے پھال کو دیکھتا ہے تو وہ بھی ندارد۔
ان کی علامت ایک مردہ سیاہ فام ہے۔ اس کا ایک ہاتھ یا اسکی
ایک چھاتی عورت کی چھاتی کے مانند ہوگی۔ یہ لوگ اس وقت
خروج کریں گے جب لوگوں میں تفرقہ ہو جائے گا۔ پس ان کے
بارے میں ومنھم من یلمزک فی الصدقات کی آیت نازل
ہوئی۔ ابو سعید خدری نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے
اس کو خود رسول اللہ صلعم سے سنا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جب حضرت علیؑ نے ان
لوگوں کو قتل کیا۔ اور میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ تو ایک شخص اسی صفت کا لایا گیا۔ جو رسول اللہ
نے بیان فرمایا تھا۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے جنگ خوارج کی پیشین گوئی کی تھی اور ان کی علامتیں بھی بیان فرمائی تھیں
جن کا ظہور مدتوں کے بعد بالکل آپکے ارشاد کے مطابق ہوا۔ پس جو لوگ بعض آیات قرآنی کا مطلب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے
اس خیال فاسد میں پڑے ہوئے ہوں کہ آنحضرتؐ عالم اخبار غیب نہ تھے" ان کو اس روایت پر غور کرنا چاہئے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ

"خیرات تو بس (خاص) فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اس (زکوٰۃ وغیرہ) کے
کارندوں کا اور جنکی تالیف قلب کی گئی ہے (ان کا) اور (جنکی) گردنوں میں (غلامی کا)
پھندا پڑا ہے۔ ان کا اور قرضداروں کا (جو خود سے ادا نہیں کر سکتے) اور خدا کی راہ

(جہاد) میں اور پردیسیوں کی کفالت میں (خرچ کرنا چاہیئے)"

اس آیت کے متعلق چند باتوں کو مختصراً واضح کر دینا مناسب ہے:۔

(اول) احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں صدقات سے فقط زکوٰۃ واجبہ مراد ہے عام خیرات مراد نہیں۔

(دوم) امم سابقہ میں بعض منافقین کے الزام اور ان کے نامناسب حالات کو مذمت کے طور پر بیان فرمانے
کے بعد یہ ظاہر فرمایا کہ اموال زکوٰۃ کے مستحق عام لوگ نہیں ہیں بلکہ اس کے اصلی مستحقین اور حقیقی مصارف یہ ہیں۔

(۱) فقراء و مساکین۔ بظاہر عرف عام کے اعتبار سے تو ان دونوں لفظوں کے مصداق میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔
لیکن لغت کے اعتبار سے تغایر ثابت ہے اور متعدد احادیث معصومین بھی اسی کو واضح کرتی ہیں کہ فقیر و مسکین میں فرق
ہے چنانچہ کافی میں معصومؑ سے روایت کی گئی ہے کہ الفقیر الذی لا یسئل والمسکین الذی ھو اجھد منہ الذی یسئل
"فقیر وہ ہے جو مانگتا نہیں اور مسکین (جو فقیر سے زیادہ زحمت میں ہوتا ہے) وہ ہے جو سوال کرتا ہے"۔

(۲) وہ لوگ جو اموال زکوٰۃ کو وصول کرنے پر معین کئے گئے ہوں۔

(۳) وہ کفار جن سے جہاد میں مدد لیجائے۔

(۴) غلاموں کو آزاد کرانا۔ اور اسکی تفصیل یہ ہے:۔

وفی الرقاب الذین یعطون من السھم اصناف الاول
المکاتبون واعطاؤھم مجمع علیہ بین الاصحاب لکن بشرط ان لا
یکون عندھم ما یصرفونہ فی الکتابۃ الثانی العبید الذین
تحت الشدۃ وھو مجمع علیہ ایضا ویدل علیہ ما رواہ الشیخ
فی الصحیح عن عمر ابن ابی نصر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام
فی الرجل تجتمع عندہ الزکوٰۃ یشتری بھا نسمۃ یعتقھا فقال
اذا یظلم قوما آخرین حقوقھم ثم قال الا ان یکون عبدا
مسلما فی ضرورۃ یشتریہ ویعتقہ الثالث شراء العبد علی
فقد المستحق قال فی المعتبر وعلیہ فقھاء الاصحاب۔
(قلائد الدرر شیخ احمد جزائری صفحہ ۹۵)

"اور غلاموں میں (صدقات صرف کئے جائیں) اور وہ لوگ جن کو یہ حصہ
دیا جائے گا چند قسم کے ہیں۔ قسم اول مکاتب ہیں ان کے عطا کرنے پر
اصحاب کا اجماع ہے لیکن اس شرط کے ساتھ ہے کہ ان کے پاس
کتابت (آزادی کی معینہ رقوم) میں صرف کرنے کے لئے نہ ہو۔ قسم دوم
وہ غلام ہیں جو تکالیف میں ہوں اور یہ بھی مجمع علیہ ہے اور اس پر
وہ صحیح روایت دلالت کرتی ہے جس کو شیخ نے عمر بن ابی نصر سے
اور انھوں نے ابو عبد اللہؑ سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا ہے
جس کے پاس زکوٰۃ جمع ہوتی تھی اور وہ اس سے غلام خرید کر آزاد
کرتا تھا آنحضرت نے فرمایا ایسی صورت میں وہ دوسرے لوگوں
کے حقوق کے بارے میں ظلم کرتا ہے۔ پھر فرمایا مگر یہ کہ عبد مسلم
ضرورت مند ہو اس کو خرید کر آزاد کرے۔ تیسری قسم مستحق نہ پائے جانے کے وقت غلام کو خرید کر لینا
(اور آزاد کرنا) معتبر میں تحریر ہے کہ یہی ہمارے فقہا کا قول ہے۔"

maablib.org

اس آیت اور احادیث منقولہ سے ثابت ہوتا ہے کہ غلاموں کی آزادی شریعت اسلام کے مقاصد عظیمہ میں داخل ہے۔ ہم کسی دوسرے مناسب مقام اس کی کامل توضیح کریں گے۔

(۵) قرضداروں کو دام قرض سے رہا کرانا۔

(۶) جہاد فی سبیل اللہ اور ایسے دیگر ضروری کاموں میں صرف کرنا جو عامہ خلائق کے لئے مفید ہوں مثلاً پلوں اور مساجد کی تعمیر۔ حجاج وزائرین و طلاب علم دین کی اعانت وغیرہ وغیرہ۔

(۷) وہ مسافرین جو عالم غربت میں زاد سفر کے محتاج ہوں بشرطیکہ ان کا سفر جائز ہو۔

(سوم) فقط نو چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ سونا، چاندی، گیہوں، جو، خرما، مویز (جس میں کشمش، منقیٰ، انگور سب شامل ہیں) ان کے علاوہ اور کسی غلہ یا پھل میں زکوٰۃ واجب نہیں) اونٹ، گائے، گوسفند (یعنی بکری، بھیڑ، دنبہ ان کے علاوہ دیگر حیوانات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے)

سونے چاندی میں زکوٰۃ تین شرطوں سے واجب ہوتی ہے:۔

(۱) سال بھر تک بغیر تغیر و تبدل کے باقی رہنا۔ پس جب گیارہواں مہینہ ختم ہو کر بارھواں مہینہ شروع ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہو جائیگی۔

(۲) سکہ دار ہونا عام اس سے کہ سکہ رائج ہو یا غیر رائج۔ اسلامی ہو یا غیر اسلامی۔ پس زیور، یا سونے، چاندی کی سل اور نوٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۳) نصاب کا پورا ہونا۔ پس جب کوئی شئے مقدار نصاب سے کم ہوگی تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ سونے کے دو نصاب ہیں۔ ۲۰ دینار اور اس کے بعد ہر چار دینار پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ پس اگر کسی شخص کے ملک میں بیس دینار پورے نہ ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر ۲۰ دینار کے بعد چار دینار جب تک پورے نہ ہو جائیں زکوٰۃ اس سے متعلق نہ ہوگی۔

چاندی کے بھی دو نصاب ہیں۔ ۲۰۰ درہم۔ اس کے بعد ہر چالیس درہم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جب سونا چاندی اپنی اپنی مقدار نصاب تک پہونچ جائے تو اس میں سے ہر نصاب کا چالیسواں حصہ دینا چاہیئے مثلاً ۲۰ دینار کی زکوٰۃ نصف دینار ہوئی۔ اسی پر باقی کو بھی قیاس کرنا چاہیئے۔

حیوانات مذکورہ بالا میں وجوب زکوٰۃ کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) سائمہ ہونا۔ یعنی جنگل وصحرا میں گھاس چر کے پرورش پاتے ہوں۔ مالک کو بقیمت ان کا چارہ مہیا نہ کرنا پڑتا ہو۔

(۲) سال بھر بغیر تبدل و تغیر کے باقی رہنا۔

(۳) ایسے مویشی نہ ہوں جن سے کاشتکاری وغیرہ مزدوریوں میں کام لیا جاتا ہے۔

(۴) نصاب کی حد کو پہنچ جانا۔

اسی طرح غلات کی زکوٰۃ میں بھی شروط ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہیہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔ یہاں اس مختصر تذکرہ سے محض اتنا واضح کرنا مقصود ہے کہ شریعت اسلام میں فریضہ زکوٰۃ کی بنیاد بہر طور رحمت و شفقت علی الخلق پر رکھی گئی۔ ایک طرف اس کے مصارف ایسے معین کئے گئے ہیں جو سراسر مفید عام ہیں اگر اہل دولت کی طرف سے اس فریضہ کے ادا کرنے میں ناجائز بخل سے کام نہ لیا جائے تو نہ اہل حاجت کو در بدر ناصیہ سائی اور سوال کی خفت اٹھانی پڑے گی اور نہ دوسری جانب عام و نافع خلائق کاموں میں خلل واقع ہو سکے گا۔ دوسری طرف مقدار نہایت قلیل اور وہ بھی ایسے شرائط کے ساتھ معین کی گئی ہے جن کا اجتماع عام طور سے بہت کم ہوتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت عام دنیاوی حکومتوں کی طرح اغنیاء کے دولت و ثروت میں ناقابل برداشت خراج اور ٹیکس عاید نہیں کرنا چاہتی بلکہ ہر ممکن تخفیف کیا تھا ان کی دولت میں اہل احتیاج کا حصہ اتنا قلیل معین کرنا مقصود ہے جو کسی شخص پر گراں نہیں ہو سکتا۔ ساتھ اس کے تحصیل زکوٰۃ میں جیسے لطف و مدارات سے بھرے ہوئے آداب ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ اس کی نظیر کسی دنیوی حکومت میں نہیں مل سکتی خواہ وہ کتنی ہی مہذب و عادل کیوں نہ ہو۔ یہاں بغرض اختصار صرف ایک آیت اور چند احکام جو امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے عہد خلافت میں عمال خراج کو دیئے تھے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت الٰہیہ نے اس معاملہ میں کیسے عدیم النظیر حسن سلوک اور تلطف آمیز برتاؤ کو ملحوظ رکھا ہے۔

تعلیم قرآن

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم۔

(ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے اور اس صدقہ کے ذریعہ سے ان کو پاک و پاکیزہ بنایئے اور ان کے لئے دعا کیجئے یقیناً آپ کی دعا ان کے لئے سرمایۂ سکون ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولؐ پر فرض کیا گیا تھا کہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے وقت ان کے لئے دعائے خیر کریں اور یہ فریضہ آپ کے خلفا سے بھی متعلق ہے۔

تعلیم معصوم

(۱) من عبد الله علي امير المؤمنين الى اصحاب الخراج اما بعد فان من لم يحذر ما هو صائر اليه لم يقدم لنفسه ما يحرزها واعلموا ان ما كلفتم يسير وان ثوابه كثير ولو لم يكن فيما نهى الله عنه من البغي والعدوان عقاب يخاف لكان

(۱) بندۂ خدا علی امیر المومنین کی طرف سے مالگذاری وصول کرنے والوں کے نام۔ خدا کی حمد اور پیغمبر پر درود کے بعد (آگاہ ہو) کہ جو شخص اپنی طرف آنیوالی چیز سے نہیں ڈرتا وہ اپنی جمع کردہ چیز کو اپنے آگے کے لئے نہیں بھیجتا۔ اور یہ جان رکھو کہ جس کے تم مکلف ہو وہ کم ہے اور اس کا بدلہ زیادہ ہے اور اگر اس ظلم و ستم میں جس سے خدا نے

فی ثواب اجتناب ما لا عذر فی ترک طلبہ فانصفوا الناس من انفسکم واصبروا لحوائجکم فانکم خزان الرعیۃ ووکلاء الامۃ وسفراء الائمۃ ولا تحشموا احداً عن حاجتہ ولا تحبسوہ عن طلبتہ ولا تبیعن للناس کسوۃ شتاء ولا صیف ولا دابۃ یعتملون علیہا ولا عبداً ولا تضربن احداً سوطاً لمکان درہم ولا تمسن مال احد من الناس مصل ولا معاہد ۔ انتہی بقدر الحاجۃ

(نہج البلاغۃ)

منع کیا ہے خوفناک عذاب نہ ہوتا ۔ تو جس چیز کے نہ طلب کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے اس سے اجتناب کرنے میں ثواب ہوتا ہے پس اپنی طرف سے لوگوں کے ساتھ انصاف کرو اور اپنی ضروریات کے لئے صبر اختیار کرو ۔ کیونکہ تم رعایا کے خزانہ دار ہو اور قوم کی طرف سے اس کے وکیل ہو اور پیشواؤں کے نمائندے ہو ۔ اور کسی کو اس کی احتیاج کے سلسلہ میں تنگ نہ کرو ۔ اور اس کی خواہش کو نہ روکو ۔ اور مالگذاری میں لوگوں کے جاڑے اور گرمی کے کپڑوں اور کام میں آنے والے چوپایوں اور غلاموں کو نہ فروخت کرو ۔ اور روپیہ کی وصولی کے لئے کسی کو تازیانہ نہ مارو ۔ اور مسلم و غیر مسلم کے مال میں دست اندازی نہ کرو ۔

(۲) انطلق علی تقوی اللہ وحدہ لا شریک لہ ولا تروعن مسلماً ولا تجتازن علیہ کارہاً ولا تاخذن منہ اکثر من حق اللہ فی مالہ فاذا قدمت علی الحی فانزل بمائہم من غیر ان تخالط ابیاتہم ثم امض الیہم بالسکینۃ والوقار حتی تقوم بینہم فتسلم علیہم ولا تخدج بالتحیۃ لہم ثم تقول عباد اللہ ارسلنی الیکم ولی اللہ وخلیفتہ لآخذ منکم حق اللہ فی اموالکم فہل للہ فی اموالکم من حق فتؤدوہ الی ولیہ فان قال قائل لا فلا تراجعہ وان انعم لک منعم فانطلق معہ من غیر ان تخیفہ او توعدہ او تعسفہ او ترہقہ فخذ ما اعطاک من ذہب او فضۃ فان کان لہ ماشیۃ او ابل فلا تدخلہا الا باذنہ فان اکثرہا لہ فاذا اتیتہا فلا تدخل علیہا دخول متسلط علیہ ولا عنیف بہ ولا تنفرن بہیمۃ ولا تفزعنہا ولا تسوءن صاحبہا فیہا واصدع المال صدعین ثم خیرہ

(۲) بے مثل و یکتا خدا کی راہ تقویٰ پر چلو ۔ کسی مسلمان کو نہ ڈراؤ اور اس کے پاس جابرانہ نہ گذر نہ کرو ۔ اور جتنا مال اس کے مال میں خدا کا حق ہے اس سے زیادہ نہ لو ۔ پس جب تم کسی قبیلہ کے پاس آؤ تو ان کے گھروں پر جانے سے پہلے ان کے چشمہ کے کنارے اترو پھر سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف جاؤ ۔ اور ان کے درمیان جاکر کھڑے ہو اور ان پر سلام کرو ۔ اور ان کی دعا میں کوتاہی نہ کرو اس کے بعد کہو ۔ اے خدا کے بندو خدا کے خلیفہ و ولی نے مجھکو تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے اموال میں سے خدا کا حق وصول کروں لہذا جو کچھ تمہارے اموال میں خدا کا حق ہے وہ اس کے ولی کو دیدو ۔ پس اگر کوئی کہے کہ میرے ذمہ خدا کا حق نہیں ہے تو اس کی طرف دوبارہ رخ نہ کرو ۔ اور اگر کوئی ہاں کہدے تو اس کے ہمراہ جاؤ ۔ اور اس کو نہ ڈراؤ نہ دھمکاؤ ۔ نہ تنگ کرو ۔ نہ پریشان کرو ۔ پس جو کچھ سونا یا چاندی وہ تمکو دے لے لو ۔ اور اگر وہ چوپائے یا اونٹ رکھتا ہو تو ان کے نزدیک اس کی بے اجازت نہ جاؤ ۔ کیونکہ ان کا زیادہ حصہ

فاذا اختار فلا تعرضن لما اختارہ ثم اصدع الباقی صدعین ثم خیرہ فاذا اختار فلا تعرضن لما اختارہ فلا تزال بذلک حتی یبقی ما فیہ وفاء لحق اللہ فی مالہ فاقبض حق اللہ عنہ فان استقالک فاقلہ ثم اخلطہما ثم اصنع مثل الذی صنعت اولاً حتی تاخذ حق اللہ فی مالہ ۔ انتہی بقدر الحاجۃ (نہج البلاغۃ)

اسی کا ہے اور جب چوپایوں کے پاس جاؤ تو تسلط رکھنے والے اور سخت گیری کرنے والے شخص کی طرح نہ جاؤ اور نہ چوپاؤں کو بھڑکاؤ ۔ اور نہ ڈراؤ اور ان کے مالک کو رنجیدہ نہ کرو ۔ اور مال کے دو حصے کرو ۔ پھر مالک کو اختیار دو کہ جو حصہ چاہے لے اور جو حصہ وہ لے اس میں تعرض نہ کرو پھر باقی کے دو حصے کرو پھر مالک کو اختیار دو ۔ پس جب وہ ایک حصہ لے لے تو جو حصہ وہ لے اس میں تعرض نہ کرو ۔ اسی طرح کرتے رہو ۔ یہانتک کہ اتنا مال باقی رہ جائے جتنا کہ اس کے مال میں خدا کا حق ہے ۔ پس اس سے خدا کا حق لے لو ۔ اور اگر وہ اس تقسیم کو فسخ کرانا چاہے تو اس کو فسخ کردو ۔ پھر سب کو ملاکر جس طرح پہلے کیا تھا ویسے ہی کرو ۔ یہانتک کہ اس کے مال میں سے خدا کا حق لے لو ۔"

وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۵

"اور کہتے ہیں کہ یہ بس کان ہی (کان) ہیں (اے رسول) تم کہدو کہ (کان تو ہیں مگر) تمہاری بھلائی (سننے) کے کان ہیں کہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین (کی باتوں) کا یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ ایمان لاچکے ان کے لئے رحمت اور جو لوگ رسول خدا کو ستاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔"

ایک مرتبہ منافقین اپنے مقام پر آنحضرت کی بابت کچھ نامناسب باتیں کہہ رہے تھے اون میں سے ایک شخص بولا کہ خاموش رہو مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہاری باتوں کی اطلاع اون کو نہ ہو جائے ۔ اس پر ایک منافق جلاس بن سوید نے کہا کہ اگر ہماری باتیں ان کو معلوم بھی ہو جائیں گی تو کیا ہوا برابر ایسا ہی ہوتا رہتا ہے کہ جب کسی بات کی خبر ان تک پہنچ جاتی ہے تو ہم فوراً جاکر قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کہا تو وہ اس کو مان لیتے ہیں ۔ وہ تو فقط "اذن سامعۃ" ہیں یعنی ہر ایک کی بات سنکر قبول کر لیتے ہیں ۔ اس آیت میں منافقوں کی اسی گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے ۔ جس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی کے ذریعہ

آنحضرت کو اُن کی مخفی باتوں کی اطلاع ہو جاتی تھی جو منافقین کے خاص جلسوں میں ہوا کرتی تھیں۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ
وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِن
نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

"اور اگر تم ان سے پوچھو (کہ یہ کیا حرکت تھی) تو ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت (دل لگی بازی) کر رہے تھے۔ تم کہو کہ ہائیں کیا تم خدا سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسولؐ سے ہنسی کر رہے تھے۔ عذر نہ کرو (تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو گئے اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں کو معاف کر دیں تو کچھ لوگوں پر عذاب (بھی) کریں گے کیونکہ وہ یقیناً مجرم ہیں"۔

(۱) یہ آیت مع آیہ سابقہ اس امر کو بتاتی ہے کہ منافقین نے طعن و استہزا کے طور پر کوئی نامناسب بات کہی تھی۔ اکثر مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ مسلمانوں کی فوج لیکر جنگ روم کے لئے روانہ ہو گئے تو جتنے منافقین بیٹھ رہے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر کہتے تھے۔ کہ بھلا ان لوگوں میں یہ دم ہے کہ شام کو فتح کر لیں اور اس عالیشان قلعوں اور قصروں کو قیصر ایسے زبردست بادشاہ سے چھین لیں۔ پس جب مراجعت کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے باز پرس کی تو ڈر گئے کہ کہیں ان کی دلی باتوں کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی سورہ نازل نہ ہو جائے ورنہ بڑی فضیحت ہوگی۔ لہذا یہ عذر کرنے لگے کہ ہم نے محض مزاح و مذاق کے طور پر وہ بات کہی تھی در حقیقت طعن یا استہزا مقصود نہ تھا۔ اسی کا ذکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

(۲) "کفرتم بعد ایمانکم" کے معنی یہ ہیں کہ کیا تم اظہار ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟ اور یہ سوال زجر و توبیخ کے طور پر اس لئے کیا گیا کہ وہ منافقین آنحضرتؐ کے پاس اپنے کو مومن ظاہر کرتے تھے۔

(۳) ان استہزا کرنے والوں میں ایک شخص مخشی بن حمیر تھا جس نے ہنسنے میں دوسروں کا ساتھ دیا۔ کوئی بات خود نہیں کہی تھی۔ اور بعد میں صدق دل سے ندامت کیساتھ توبہ و عذر کا اظہار کر رہا تھا۔ باقی سب کے سب محض جھوٹا عذر پیش کر رہے تھے، قلوب اون کے نفاق سے خالی نہیں ہوئے تھے۔ اسی پر خدا نے ارشاد فرمایا ان نعف عن طائفۃ

منکم الخ یعنی اگر تم میں سے ایک شخص کی خطا معاف بھی کر دیں تو ہم دوسروں کو ضرور سزا دیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے جرم پر نادم نہیں ہیں۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ
وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ "یہ منافقین خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (کوئی بات) نہیں کہی حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور جس بات پر قابو نہ پا سکے اُسے ٹھان بیٹھے"۔

واقدی اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلعم جنگ تبوک سے مراجعت فرما رہے تھے تو ایک جماعت منافقین نے باہم یہ مشورہ کیا کہ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چھپکر بیٹھ رہیں۔ اور جب آنحضرتؐ ادھر سے گذریں تو اچانک حملہ کر کے قتل کر دیں چنانچہ بارہ منافقین ایک گھاٹی میں آکر چھپ رہے۔ ادھر جبرئیل امین نے آپ کو خبر دی اور کہا کہ کسی کو اس گھاٹی کی طرف بھیجدیجئے کہ ان کو دیکھ آئے چنانچہ آپ نے حذیفہ کو جو اس وقت ساتھ تھے بھیجا۔ وہ گئے مگر کسی کو پہچان نہ سکے۔ کیونکہ سب کے سب اپنے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو آپ نے سوال کیا کہ تم نے کس کو کس کو پہچانا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔ تب آپ نے ان کو ہر ایک کے نام بتائے۔ حذیفہ بولے کہ ہم کو اجازت ملے تو ان سب کو قتل کر آئیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو گا تو اہل عرب یہی کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کرا دیا۔ یہ چرچا مجھے گوارا نہیں۔ اسی واقعہ کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا
كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ "پھر ان سے ان کے خمیازہ میں اپنی ملاقات کے دن (قیامت) تک ان کے دل میں (گویا خود) نفاق ڈالدیا اسی وجہ سے ان لوگوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس وجہ سے جھوٹ بولا کرتے تھے"۔

مقصود یہ ہے کہ جب خدا نے اپنا فضل اون کو عطا کیا اور اس پر بھی وہ نفاق سے باز نہ آئے اور بخل کو راہ دیکر اپنے سابق عہد سے اعراض کر گئے۔ تو ہم نے دنیا میں ان کو یہ سزا دی کہ توبہ سے محروم کر دیا جس سے تا قیامت ان کے دلوں سے نفاق دور نہیں ہو سکتا۔ چونکہ توفیق توبہ کا سلب کر لینا خداوند عالم کا فعل ہے اور وہی بقائے نفاق کا باعث ہوا لہذا اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور اپنا ہی فعل قرار دیا۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ

maablib.org

سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ "(اے رسولؐ) خواہ تم ان (منافقوں) کے لئے مغفرت کی دعا مانگو یا ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگو (ان کیلئے برابر ہے) تم ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا مانگو گے تو بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا"

یہ آیت اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضرتؐ نے منافقین کے لئے استغفار کیا تھا۔ بلکہ مقصود منافقین کے جرم کی شدت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور حاصل آیت یہ ہے کہ ان لوگوں کا جرم اتنا سنگین اور ناقابل عفو ہے کہ اگر تم بھی اون کے لئے مغفرت طلب کرو اور وہ بھی ایکبار نہیں بلکہ ستر بار تب بھی ہم ان کو معاف نہ کریں گے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعۡيُنُهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوۡا مَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ "اور نہ انھیں لوگوں پر کوئی الزام ہے جو تمہارے پاس آئے کہ تم ان کے لئے سواری بہم پہنچا دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس (تو کوئی) سواری موجود نہیں کہ تم کو اس پر سوار کروں۔ تو وہ لوگ (مجبوراً) واپس گئے اور (حسرت و افسوس سے) اس غم میں کہ ان کو خرچ میسر نہ آیا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھی"

جب تمام اہل اسلام کو جنگ تبوک کے لئے تیار رہو جانے کا حکم عام نافذ ہوا تو جماعت انصار میں سے کچھ لوگ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس سواریاں ہیں اور نہ زادراہ۔ اگر اس کا انتظام کر دیا جائے تو ہم چلنے کو تیار ہیں۔ حضرتؐ نے فقط ایک شخص ابن عمر کو ایک سواری جو بچی ہوئی تھی عطا فرمائی اور باقی لوگوں سے عذر فرمایا کہ اب کوئی سواری باقی نہیں رہی۔ مجبوراً وہ لوگ محزون و گریاں واپس چلے گئے۔ انہیں لوگوں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

ختم شد جزو دہم[10]

قیمت حصہ چہارم دو روپیے[2]